Digitized By eGangotri

توازن

ڈاکٹر پریمی رومانی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

پریمی رومانی کا شمار اُردو کے ایسے ادیبوں
یں کیا جاسکتا ہے، جن کی زندگی اُردو ادب کی
خدمت کیلئے وقف ہے۔ وہ ایک ذہین اور
با شعور فنکار ہیں۔ موصوف ایک ایسی تنقیدی
بصارت بھی رکھتے ہیں جو تحقیقی جذبہ سے
ہم آہنگ ہے۔ اُن کی ادبی خدمات کا اعتراف
نہ کرنا غیر دیانتداری ہی نہیں بلکہ ادبی بد ذوقی
بھی ہوگی۔ پریمی رومانی کو ادبی صلاحیت
وراثت میں ملی ہے، وہ ڈاکٹر برج پریمی
صاحب کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ اُنہوں نے اس
صلاحیت میں اضافہ کیا ہے اور اُردو ادب میں
پنی الگ پہچان قائم کی ہے۔ آج اگر ڈاکٹر
رج پریمی حیات ہوتے تو وہ ڈاکٹر پریمی رومانی
کی ذات پر بجا طور پر فخر کرتے۔

پریمی رومانی کی ادبی خدمات کو کسی طرح
بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اُن کی ادبی
صلاحیت کے پیشِ نظر میں اُنہیں اپنے نزدیک
محسوس کرتا ہوں۔ وہ اس بات کے لئے الگ
سے داد کے مستحق ہیں کہ اُنہیں اُردو زبان پر
سترس حاصل ہے۔

عرش صہبائی
جموں
۲۹ر دسمبر ۲۰۰۹ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

توازن

ڈاکٹر پریمی رومانی

تقسیم کار

رچنا پبلی کیشنز

تپسیا، ۳/ انصیب نگر۔ جانی پور جموں ۱۸۰۰۰۷ (توی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

© ڈاکٹر پریمی رومانی

تپسیا۳/انصیب نگر۔ جانی پور جموں ۱۸۰۰۰۷ (توی)

سن اشاعت : ۲۰۱۰ء

کمپوزنگ : مسعود احمد

مطبع : جے کے آفسیٹ پریس، دہلی

قیمت : -/300 روپے

جموں و کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز سری نگر کے جزوی مالی تعاون سے چھپی اس کتاب میں شامل آراء کے ضمن میں بلواسطہ یا بلاواسطہ اُس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اکیڈیمی پر کوئی ذمہ داری عائد ہوگی۔

ڈاکٹر پریمی رومانی

زیر اهتمام : رچنا ایمہ

TAVAZUN

(Criticism & Research)

By Dr. Premi Romani

2010

Price: Rs.300/-

تقسیم کار

مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، پرنس بلڈنگ ممبئی 400008

کتاب دار، جلال منزل نزد جے جے ہسپتال ممبئی 400008

سیفی بک ایجنسی، محمد علی روڈ ممبئی 400003

پاک بک چینل، پکہ ڈنگا جموں (توی)

رچنا پبلی کیشنز ۳۰/انصیب نگر جانی پور جموں (توی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

انتساب

انسان دوست شاعر

جناب اکبر جے پوری (مرحوم)

کے نام

جن کی محبت، بے پناہ خلوص

اور شفقت

ہمیشہ میرے ساتھ رہی

اللہ اُن کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

آمین

ڈاکٹر پریمی رومانی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ترتیب

- پیش لفظ — محمد ایوب واقف — 7
- اپنی بات — ڈاکٹر پریمی رومانی — 9

تحقیق وتنقید

- ریاست جموں وکشمیر میں اُردو ڈراما۔ سمت ورفتار — 11
- اُردو افسانے کی آبرو ــ سعادت حسن منٹو — 24
- جمیل مظہری ــ ہندوستانی ادب کے معمار — 32
- مرزا غالب اور قومی یکجہتی — 40
- جگن ناتھ آزاد کی نثر نگاری — 45
- برج پریمی اور کشمیر — 54
- حکیم منظور ــ عصر حاضر کا ایک نمائندہ غزل گو شاعر — 60
- اُردو ادب کا شیدائی ــ صادق صاحب — 71
- میکش کاشمیری ــ شخص وفنکار — 78
- بچوں کی شاعری اور مظہر امام — 96
- سیفی سرونجی کی شعری کائنات — 101

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

- شیش نگر کی شاعرہ۔حمیدہ معین رضوی 106
- مظفر ایرج دِل کتاب کے آئینے میں 115

طنز و مزاح

- اُردو شاعری میں طنز و ظرافت 122
- اُردو طنز و مزاح کا ایک اہم نام ــــ پطرس بخاری 129
- کنہیالال کپور ــــ ایک نئے زاوئے سے 135

گفتگو

- خلیل الرحمٰن اعظمی کے ساتھ ایک گفتگو 143

کتابوں کی دُنیا

- شعرائے پونہ 150
- شام سے پہلے 156
- قہر نیلے آسمان کا 165
- چاند لمس گلاب 173

متفرقات

- میرا شہر 180
- سارے جہاں سے اچھا 189

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

پیش لفظ

پریمی رومانی جنت نشان کشمیر کے ایک ایسے خوش اقبال گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں کہ جس گھرانے نے اُردو زبان اور اس کے شعر و ادب کی لازوال اور مثالی خدمات انجام دی ہے۔ ان کے والد محترم ڈاکٹر برج پریمی ایک منفرد افسانہ نگار اور ممتاز ادیب تھے۔ ایک ایسے بڑے اور باوقار باپ کے بیٹے کی قسمت میں بھی بڑے ادیب و شاعر کی ادبی و شعری کشود کی ساری جلوہ آرائیاں نقاشِ ازل نے لکھ دی تھیں۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں تو پریمی رومانی ہمیں ادب و شعر کے اس مقام پر نظر آتے ہیں، جہاں پہنچنے کا خوبصورت خواب آنکھوں میں سجائے بہت سے لوگ سرگرداں نظر آتے ہیں، لیکن منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ پاتے۔ پریمی رومانی کو میں قسمت کا دھنی مانتا ہوں کہ عین حیات میں اُنہیں وہ رتبہ حاصل ہوگیا ہے۔ اب وہ جموں و کشمیر کی سرحدیں عبور کر کے پورے ہندوستان کے بلکہ یہ کہئے تو زیادہ درست ہوگا کہ پورے برصغیر ہندو پاک کے نمایاں شاعر و ادیب کے مقام پر متمکن نظر آتے ہیں۔ وہ شاعر، ادیب، نقاد اور اعلیٰ درجے کے محقق ہیں۔ وہ اپنے دماغ کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اختراعی کوششوں سے نت نئی اور انوکھی کتابوں کے ساتھ منظر عام پر نظر آتے ہیں۔ان کی ایک ایسی ہی مساعی جلیلہ وجمیلہ کے منہ بولتی تصویر یہ کتاب بھی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ان کی یہ کتاب ادب کی مختلف شخصیات پر ان کے گرانقدر مقالات کا مجموعہ ہے۔اس کتاب میں شامل ان کے مقالات کو پڑھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہ جاتا کہ وہ ادبی شخصیتوں کی تصویر کشی پر ملکہ رکھتے ہیں۔وہ تنقید نگاری کا بہت منجھا ہوا شعور و اِدراک رکھتے ہیں۔ان کی یہ تحریریں جو اس کتاب کے زیب وزینت کا کام کرتی ہیں، یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ان کی تحریریں سادگی وصفائی کا مرقع ہیں، جن کا مطالعہ ایک باذوق قاری کے دماغ پر خوشگوار اثر چھوڑتا ہے۔ان کے نپلے تلے اور بامعنی جملے زبان وزبان پر ان کی مشاقانہ قدرت کی آئینہ داری کرتے ہیں۔یہ کتاب ان کے گہرے مطالعہ اور غور وفکر کی بھی غماز ہے۔

محمد ایوب واقف
ممبئی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اپنی بات

''توازن'' میرے انتقادی مضامین کا تازہ مجموعہ ہے!

اس میں گوناگوں موضوعات پر میرے مقالات بھی شامل ہیں اور طنز و مزاح، ادبی گفتگو کتابوں پر تبصرے اور متفرق مضامین بھی۔ ان میں سے بعض مضامین وقتاً فوقتاً اُردو کے معتبر رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں اور بعض مضامین ایسے ہیں جو فرمائش پر لکھے گئے ہیں اور مختلف سمیناروں اور علمی و ادبی محفلوں میں پیش کئے گئے ہیں۔ مجھے بے حد مسرت ہو رہی ہے کہ میری تخلیقات ہر وقت قارئین کرام سراہتے رہے اور مجھے اپنے زرّین خیالات سے نوازتے رہے۔

''توازن'' کا آغاز خالص علمی و ادبی مضامین سے ہوتا ہے۔ اس حصے میں میں نے جہاں ریاست جموں و کشمیر میں اُردو ڈراما کی سمت و رفتار کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہاں اُردو کے بعض نمائندہ قلم کاروں میں سے غالب، منٹو، جمیل مظہری، جگن ناتھ آزاد، حکیم منظور، برج پریمی، میکش کاشمری، مظہر امام اور سیفی سرونجی کی شعری و نثری تخلیقات پر کھل کر

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہے۔اس طرح سے توازن کا یہ حصہ مکمل اور مربوط تاریخی وادبی دستاویز بن گیا ہے۔

دوسرا حصہ اُردو طنز ومزاح پر محیط ہے۔اس حصے میں ادب کی اس صنف کے بعض معتبر فنکاروں کی شخصیت اور اُن کی فکری اور فنی پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ طنز ومزاح کے میدان میں شاعروں اور ادیبوں نے اپنی تخلیقات میں نئے نئے رنگ بھر دیئے ہیں۔اس کتاب میں عصر حاضر کے دو نمائندہ طنز نگاروں پطرس بخاری اور کنہیالال کپور کے فن کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔اس حصے کو مزید توسیع دینے کی گنجائش ہے اور اُن تمام فنکاروں کو منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے جنہوں نے اُردو ادب کے اس شعبے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔

''توازن'' میں آپ کو ایک اہم علمی وادبی گفتگو ملے گی جو دورِ جدید کے ایک اہم اور معتبر شاعر، محقق اور صاحبِ طرز نقاد خلیل الرحمٰن اعظمی (مرحوم) سے ایک ملاقات پر مشتمل ہے۔اس میں خلیل مرحوم کے شعری تجربات پر ایک مباحثہ ملے گا جو یقیناً ادب کے طلبا اور خاص طور پر ریسرچ اسکالروں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

نئی کتابوں پر تبصرے کرنا ہر وقت میری کمزوری رہی ہے تبصروں پر مشتمل ''میزان'' کے نام سے پہلے ہی ۲۰۰۷ء میں میری ایک کتاب شائع ہو چکی ہے۔جس میں اُردو کی بعض اہم کتابوں پر میرے تنقیدی تبصرے شامل ہیں۔اس کتاب کی بھی علمی وادبی دنیا میں خوب پذیرائی ہوئی۔ ''توازن'' میں بھی آپ کو اس نوعیت کے تبصرے نظر آئیں گے۔

متفرق مضامین میں میرا شہر اور سارے جہاں سے اچھا کے عنوانات سے میری دو اور تحریریں شامل ہیں جن کی اپنی خاص اہمیت ہے۔

بہر حال ''توازن'' اب آپ کے سامنے ہے۔اُمید ہے کہ آپ میری اس کاوش کو پسند فرمائیں گے اور ہمیشہ کی طرح میری حوصلہ افزائی کریں گے۔

چشم براہ

پریمی رومانی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ریاست جموں و کشمیر میں اُردو ڈراما

ـــــ سمت و رفتار

ڈراما ایک قدیم صنف ہے۔ مختلف محققین اس کے ڈانڈے ویدک عہد کے ساتھ ملاتے ہیں۔ سنسکرت ڈرامے کی ترقی و فروغ کا ذکر بہت پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ کالی داس کا ڈراما شکنتلا آج بھی سنسکرت ادب میں سنگِ میل کی حیثیت رکھا ہے۔ مغرب میں یونانی ڈرامے کو جب فروغ ملا تو یہ صنف ارسطو کے زمانے تک آتے آتے بقائے دوام کے دربار تک جا پہنچی البتہ اس بات میں دو رائیں نہیں کہ رومن عہد میں اس صنف کو زوال کا سامنا کرنا پڑا۔

ڈراما کیا ہے؟ اور یہ کیسے عوام کے لئے دلچسپی کا باعث بن گیا۔ اس کے بارے میں بعض محققین لکھتے ہیں کہ ڈراما کسی واقعے، داستان یا قصے کو عملی طور پر پیش کرنے کا فن ہے اور قصے کی تشکیل ڈرامے کو دلچسپ یا غیر دلچسپ بنانے میں ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔(۱)

اصل میں ڈراما حرکت اور عمل کا نام ہے۔ ارسطو نے اس کو عمل کی نقل قرار دیا ہے۔ جب بھی ڈراما کی ترقی و ترویج پر غور کیا جاتا ہے تو یونانی ڈرامے کے دو اہم پہلو سامنے آتے

(۱) اُردو اصناف کی تدوین مرتبہ امکار رول۔ ص ۱۴۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہیں۔ جنہیں ٹریجڈی یعنی المیہ اور کامیڈی یعنی طربیہ کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ ڈراما کی کامیابی کا دارومدار کردار کے حرکات وسکنات، مکالمے کی ادائیگی، منظر کشی اور لباس و پوشاک پر منحصر ہے۔ جتنے طاقتور اور توانا کردار ہوتے ہیں اتنا ہی ڈراما کامیاب ہوسکتا ہے۔

اُردو ڈراما اگرچہ تاخیر سے پیدا ہوا لیکن اس کو ترقی دینے میں ڈراما نگاروں اداکاروں پیش کاروں اور موسیقاروں کے رول کو صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اُردو ڈراما کے عناصر خمسہ کی بات ہو تو بھانڈوں کی نقل کا ذکر بھی سامنے آتا ہے۔ یہ بھانڈ اپنی اداکاری سے عوام کو محظوظ کرنے کے فن سے واقف تھے۔ ملا غنیمت کاشمیری اپنی فارسی مثنوی نیرنگ عشق میں بھانڈوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ''یہ پیشہ ور بھانڈ شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کے عہد میں سلطنت میں گانے بجانے اور نقلیں کرنے کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ طائفے عموماً بازاروں میں گھومتے پھرتے اور دو کانوں کے سامنے یا بازار کے چوک میں نقلیں کیا کرتے۔ تماشے کے اختتام پر ایک ایک پیسہ دو دو پیسہ دے کر ان کا حق خدمت ادا کرتے۔ اس طرح یہ لوگ اپنی روزی کماتے۔'' (۱)

بھانڈ کشمیر الاصل تھے جو بہروپ بدلنے میں کمال رکھتے تھے۔ یہ کرتب دکھانے میں ماہر تھے۔ حاضر جوابی میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ عوام کو تفریح کا سامان مہیا کرنے میں ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اکثر یہ لوگ کسی مشن کے بغیر فل البدیہہ مکالموں کے ساتھ اپنا کرتب دکھاتے اور دیکھنے والوں کو تفریح کا سامان بہم پہنچاتے تھے۔ یہ لوگ اورنگ زیب کے زمانے میں گانے بجانے کی نقل کرتے تھے اور لوگوں کو محظوظ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان پانڈوں کا پیشہ بھی یہی تھا لہٰذا صبح ہوتے ہی یہ لوگ گلی گلی گھوما کرتے تھے اور کمال اور کرتب دکھا کر اپنا پیٹ پالتے تھے۔ سوانگ، رام لیلا، کرشن لیلا، کٹھ پتلیاں، نوٹنکی بھی زمانہ گذرنے کے

(۱) اُردو اصناف کی تدوین [illegible]

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ساتھ ساتھ لوگوں کی تفریح کا باعث بن گئے اور اس طرح سے ڈراما کے فن کے ابتدائی نقوش سامنے آتے ہیں۔ ڈرامے کو ترقی و ترویج دینے میں ہندوستانی عوامی تھیٹر کی مساعی کو کون فراموش کر سکتا ہے؟ ڈراما نگاری کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوتی ہے کہ ہمارے ہاں ڈراما نگاری کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ڈاکٹر برج پریمی اپنی کتاب میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

> ''زمانۂ قدیم میں بھی ہمارے یہاں رقص کی محفلوں کا چلن رہا ہے۔ اس کا تعلق کسی نہ کسی صورت میں ڈرامے کے ساتھ ہے۔ کلہن نے اِندر پربھا نام کی ایک رقاصہ کا ذکر کیا ہے جس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ یودھ بٹ اور سوم پنڈت کا ذکر ہماری تواریخوں میں ملتا ہے جنہوں نے سنجیدہ ڈرامے لکھے۔''(۱)

جہاں تک ریاست جموں و کشمیر کا تعلق ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں یہاں ڈرامے کے خدوخال صحیح معنوں میں اُبھرنے لگے۔ جب راس لیلا کا چلن ہوا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کلچر اور ادب کے شایق تھے ان کا عہد علم و فن کی قدر و منزلت کا عہد تھا۔ کلچر ادب تہذیب اور تمدن کے فروغ نے لوگوں کی دلچسپیوں میں اضافہ کیا۔ اس طرح سے عوام نئے نئے فنون سے آگاہ ہوئے۔ وہ مغربی فنون سے بھی آشنا ہوئے۔ سنسکرت زبان کے کئی شاہ پارے انگریزی، فارسی اور عربی کے علاوہ اُردو زبان میں منتقل کئے گئے۔ ترجمے کا کام شدومد کے ساتھ جاری ہوا۔ زبان میں کئی مخطوطات منتقل کئے گئے۔ یہ سلسلہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے انتقال تک برابر چلتا رہا۔ اس کے بعد جب مہاراجہ پرتاپ سنگھ تخت نشین ہوئے تو ریاست کے مخلوط تہذیب و تمدن اور تعلیم کو زبردست فروغ حاصل ہوا۔ اُردو زبان اور اس کے مختلف نثری اور شعری اصناف میں بے پناہ ترقی رونما ہوئی۔ ریاست سے باہر کئی لیلا پارٹیاں اور ناٹک

(۱) ڈاکٹر برج پریمی۔ جموں و کشمیر میں اُردو ادب کی نشوونما۔ ص ۹۹

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

کمپنیاں یہاں آئیں اور اپنے فنکارانہ مظاہروں سے دھوم مچادی۔ اُن دِنوں پارسی تھیٹر کی بھی دھوم تھی اور اس کے زیر اثر کئی تھیٹریکل کمپنیاں اُبھر کر سامنے آئی تھیں۔ ڈراما نویسوں، پیش کاروں، اداکاروں کا ایک طویل سلسلہ سامنے آیا جنہوں نے اُردو ڈرامے کو ایک نئی سمت سے آشنا کیا۔ طالب بنارسی، ماسٹر رحمت علی، احسن لکھنوی، بیتاب بنارسی نے نہ صرف ڈرامے لکھے بلکہ اداکاری اور پیشکاری کے جلوے بھی دیکھائے اُردو کے معروف ڈرامہ نگار آغا حشر کاشمیری نے کئی سبق آموز ڈرامے لکھے اور اس طرح تھیٹر تحریک اور ڈراما نگاری کی دُنیا میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا اُردو چونکہ یہاں کی سرکاری زبان تھی۔ اس لئے یہ رجحان دیکھ کر بعض باذوق حضرات نے دوسری زبانوں کے بعض قابل ذکر اور معیاری ڈرامے اُردو میں منتقل کئے۔ ریاست میں بھی ڈراما نگاری کے میدان میں کئی نام پیدا ہوئے۔ جنہوں نے ڈراما نگاری کے فن کو برتا اور خوب سے خوب تر کی طرف قدم بڑھایا۔

ریاست کے بعض نوجوان، جو ملازمت یا تجارت کے سلسلے میں ریاست سے باہر گئے تھے۔ انہیں بعض مقامات پر ہندوستانی تھیٹر میں ڈرامے دیکھنے کا موقعہ فراہم ہوا۔ رفتہ رفتہ اُنہیں اسٹیج سے بھی دلچسپی پیدا ہوگئی۔ واپس آکر وہ بھی ریاست میں اس طرح کی کوششوں کو فروغ دینے میں نمایاں حصہ ادا کرنے لگے۔ چنانچہ باہر سے کئی ناٹک کمپنیاں اور راس لیلا پارٹیاں ریاست کے گردونواح میں کام کرنے لگیں۔ اس طرح سے یہاں کے لوگ اور خاص طور پر نوجوان طبقہ بھی ان چیزوں میں حصہ لینے لگا۔ ریاست میں اُردو ڈرامے کے ابتدائی مراحل کے بارے میں ڈاکٹر برج پریمی تفصیلات فراہم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ''چنانچہ میں جموں شہر اور بعد میں سرینگر شہر میں مختلف تھیٹر کمپنیوں کی آمد شروع ہوئی جنہیں ڈوگرہ مہاراجوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ چنانچہ مشہور انگریزی، بنگالی، ہندی ڈراما نگاروں کے اہم ناٹک اُردو کے توسط سے پیش ہوئے۔ ریاست کے بہت سے باذوق جنہیں ہندوستان کے مختلف شہروں میں جانے کا موقعہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

فراہم ہوا تھا۔ ہندوستانی تھیٹر میں بعض ڈرامے دیکھ چکے تھے چنانچہ ان کے دِل میں بھی اسٹیج استوار کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس لئے جب راس لیلا پارٹیاں جموں اور سرینگر آکر ڈرامے اسٹیج کرنے لگے اور انہیں مقبولیت حاصل ہوئی تو ہمارے نوجوانوں نے بھی اس شعبے میں اپنی صلاحتیں آزمانے کے مواقعہ تلاش کئے۔'' (۱)

اس اقتباس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست میں تھیٹر کے ابتدائی مراحل میں کن دشوار گذار منزلوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہاں کے باذوق فنکاروں نے تھیٹر تحریک اُبھارنے میں جس لگن محنت اور صلاحیت سے کام لے کر کوشش کی وہ قابل ستائش ہے۔

ریاست میں ڈراما نگاری کو ترقی وفروغ دینے میں محمد عمر نورالٰہی کا نام سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُن کی تصنیف ناٹک ساگر اُردو ڈراما نگاری میں مستند حیثیت رکھتی ہے محمد عمر اور نورالٰہی دونوں ڈراما کے فن سے واقف تھے۔ یہ دونوں حضرات اسٹیج سے بھی گہرے طور پر وابستہ رہے۔ خود بھی انہوں نے انفرادی طور پر بہت سے ڈرامے لکھے لیکن ''ناٹک ساگر'' ان کی ایک معرکتہ الآرا تصنیف ہے۔ یہ تصنیف اردو ڈراما نگاری کی تاریخ میں بے پناہ اہمیت کی حامل ہے۔ پروفیسر عبدالقادر سروری اپنی کتاب کشمیر میں اُردو حصہ دوم میں ناٹک ساگر کی اہمیت متعین کرتے ہوئے اپنی محققانہ رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''صاحب زادہ محمد عمر جنہوں نے نورالٰہی کی شرکت میں اُردو سٹیج اور ڈرامہ کی تاریخ پر اپنی معرکتہ آلارا تصنیف ناٹک ساگر لکھ کر شہرت حاصل کرلی ہے، اس صدی کے ربع اول میں ریاست اور خاص طور پر جموں کے ادبی حلقوں کے روح رواں بنے رہے۔ اس کتاب نے ان دونوں ناموں کو ایک دوسرے سے ایسا چسپاں کردیا ہے کہ بعض لوگ یہ ایک ہی نام سمجھتے ہیں۔'' (۲)

(۱) ڈاکٹر برج پریمی: جموں وکشمیر میں اُردو ادب کے نشو ونما۔ ص ۱۰۰

(۲) پروفیسر عبدالقادر سرمدی: کشمیر میں اُردو (دوسرا حصہ)۔ ص ۱۷۴

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

محمد عمر کو بھی ڈراما نگاری سے گہری دلچسپی تھی۔ وہ ترجمے کے فن سے بھی واقف تھے۔ نورالٰہی بھی ایک سلجھے ہوئے ڈراما نگار تھے۔ اُنہوں نے انفرادی طور پر کئی ڈرامے لکھے۔ محمد عمر نے جب ادبی دُنیا میں قدم رکھا تو انہوں نے بعض اچھے ڈراموں پر تنقیدی مضامین بھی لکھے۔ حکیم احمد شجاع کے ڈرامے ''باپ کا گناہ، پر تنقید'' ان کے نمائندہ ابتدائی دور کے کارناموں میں شمار ہوتے ہیں۔ ناٹک کتھا بھی محمد عمر کا اہم ادبی کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ ہمہ خاندان آفتاب اور 'آؤ بیل مجھے مار' ان کے چند اہم ڈرامے ہیں جو اُنہی دِنوں نشر ہو چکے تھے۔ محمد عمر نورالٰہی نے ہندی اور سنسکرت زبانوں کے بعض قابل قدر ڈرامے اُردو میں منتقل کئے۔ لیکن اُن کا اہم کارنامہ 'ناٹک ساگر' ہی تصور کیا جاتا ہے۔ بقول ڈاکٹر منظر اعظمی یہ تصنیف اُردو زبان میں ڈراما کی پہلی تاریخی اور تنقیدی کارنامہ ہے۔ (۱) جو ۱۹۲۴ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اس ادبی کارنامے پر اس زمانے کی کئی ادبی اور ثقافتی انجمنوں نے اُنہیں گراں قدر اعزازات سے نوازا۔ محمد عمر نورالٰہی کے ادبی کارناموں کو دیکھ کر ریاست جموں وکشمیر کے کئی باصلاحیت ادیبوں کو ڈرامہ نگاری کے فن سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔ ان ڈراما نگاروں میں دینا ناتھ واریکو شاید کاشمیری، نرہری رائے زادہ، نرسنگھ داس نرگس، جگدیش کنول، عزیز کاش اور آذر عسکری کے نام قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے آزادی سے قبل ریاست میں اُردو ڈراما نگاری کو فروغ دینے میں اہم رول ادا کیا۔ شاہد کا ڈراما رکمنی ہرن قسط وار سرینگر سے شائع ہونے والے اخبار مارتنڈ میں شائع ہوا۔ چار سو بیس ''نوشتۂ تقدیر'' اور پردے کے پیچھے اسی دور کے بعض قابل ذکر ڈرامے ہیں۔ جو مختلف اخبارات و جرائد میں شائع ہوئے یا اسٹیج ہوئے۔ عزیز کاش اور آذر عسکری نے ڈراما نگاری کے فن کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ بعض اچھے اور معیاری افسانے بھی لکھے۔ یہ دونوں حضرات تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے اور وہاں بھی اپنی فنکارانہ چابکدستی سے ادب کی خدمت کرتے رہے۔

اس بات کا ذکر پہلے ہی ہو چکا ہے کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ فن کے قدردان تھے۔ اُن کے

(۱) ماہنامہ تعمیر (جموں وکشمیر اُردو ادب نمبر) جلد ۱۴ شمارہ نمبر ۲۔ ص ۱۱۲

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

زمانے میں جہاں اُردو زبان کی ترقی وبقا کے لئے بہت ہی مفید کام ہوتا رہا وہاں شعروادب کی مختلف اصناف کی ترقی کے ساتھ ساتھ فنکاروں ادیبوں اور شاعروں کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی رہی۔ چنانچہ کئی ناٹک کمپنیاں وارِدِ ریاست ہوئیں اور راس لیلا کے طرز پر کئی ڈرامے پیش کئے گئے جن کی جگہ جگہ عوام نے سراہانہ کی۔ اس طرح سے عوام کو بھی ڈرامے کے فن سے بے پناہ دلچسپی پیدا ہوگئی۔ یہ کمپنیاں اُبھارنے اور ان کا فن اُجاگر کرنے میں دھرم آرتھ محکمے کی مساعی کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس محکمے کے ملازمین آپس میں تضادات کے شکار ہوگئے۔ اس طرح سے کشمیر میں اُردو ڈرامے کو شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن جموں کے فنکاروں، آرٹسٹوں اور ڈراما نگاروں نے اپنے شوق کی تکمیل کے لئے بے پناہ محنت لگن اور بھرپور صلاحیت سے کام لیا اور ڈرامے کے شعبے کو آگے بڑھایا۔

ریاست کی تھیٹر تحریک کو تقویت دینے میں IPTA (اپٹا) کے رول کو کسی بھی صورت میں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ عوامی تھیٹر سے وابستہ بعض معروف فنکاروں نے بلراج ساہنی کی سربراہی میں کشمیر کے فنکاروں اور ادیبوں کے ساتھ مل کر IPTA کی ایک شاخ قائم کی۔ یہ شاخ ریاست میں تھیٹر تحریک کو فروغ دینے میں کارآمد ثابت ہوئی، بعد میں ایک نیا تھیٹر گروپ بنایا گیا اور بقول قیصر قلندر اس نے (بلراج ساہنی نے) ہمیں ایک تھیٹر گروپ بنانے کی اسکیم بتادی تھی جو بعد میں کلچرل فرنٹ یا کلچرل کانگریس کی صورت اختیار کرگئی(۱) پریم ناتھ پردیسی کا ڈرامہ ''بتہ ہر'' اسی دور کا ایک یادگار ڈرامہ ہے۔ یہ ڈراما کشمیری زبان میں لکھا گیا تھا لیکن بعض سیاسی مجبوریوں کی وجہ سے اسٹیج نہ ہوسکا۔

۱۹۴۷ء کے المیے سے کون واقف نہیں۔ ملک تقسیم ہونے کے ساتھ ساتھ فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوئے تو اس نے سارے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہر طرف قتل وغارت اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ ان حالات کو قابو میں لانا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ چنانچہ حکومت کی عنان عوام کے ہاتھ میں آگئی جس کی قیادت کشمیر کے عظیم رہنما شیخ محمد عبداللہ کررہے تھے۔

(۱) ماہنامہ آج کل نئی دہلی کشمیر نمبر نومبر ۱۹۷۵ء شمارہ نمبر ۴۔ ص ۱۰

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

چنانچہ اِن حالات میں صبر سے کام لیا گیا اور کشمیر کے عوام متحد ہوکر شیخ صاحب کی رہنمائی میں قبائلی دراندازوں کو پسپا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ نیشنل ملیشیا کے نام سے باشعور لوگوں کی جماعت منظّم کرلی گئی جس میں وادی کے ادیب، شاعر، دانشور، مصور اور باشعور عوام شامل تھے۔ ان کا نعرہ صرف امن، بھائی چارہ، اخوت اور جذبۂ خلوص تھا۔ یہ گروہ بعد میں کلچرل فرنٹ میں منتقل ہوگیا۔ دراصل کلچرل فرنٹ، ترقی پسند تحریک (کشمیر میں) اور کلچرل کانگریس میں جو ادیب شاعر اور ڈراما نگار شامل تھے۔ انہوں نے اپنے فن کے ذریعہ سے عوام میں بیداری پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ چنانچہ پردیسی جو ابتدا میں پریم ناتھ رونق کے نام سے معروف تھے ریاست کے اوّلین کہانی کار تصور کئے جاتے ہیں۔(۱) اُنہوں نے چند ڈرامے لکھے جو قومی کلچرل فرنٹ کے زیر اہتمام اسٹیج بھی ہوئے اور عوام میں مقبول بھی ہوئے یہ دور تاریخی لحاظ سے نازک ترین دور تصور کیا جاتا ہے۔ کشمیر چھوڑ دو کی تحریک زوروں پر تھی۔ نیشنل کانفرنس کی قیادت میں کشمیر کے عوام متحرک و متحد ہونے لگے۔ یہاں کے ادیبوں اور دانشوروں نے بھی اپنی احساس ذمہ داری کو پہچان لیا اور وہ عوام کی فلاح و بہبود کیلئے کام کرنے لگے۔ امن و آشتی کو فروغ دینے کیلئے انہوں نے اپنا کی توسیع کی اور کلچرل فرنٹ کے نام سے ایک ثقافتی انجمن کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح سے زبان و ادب کا احیائے نو ہونے لگا۔

کلچرل فرنٹ بعد میں آل سٹیٹ کانگریس میں منتقل ہوگئی۔ چنانچہ ادیبوں شاعروں، مصوروں اور فنکاروں کے الگ الگ شعبے قائم کئے گئے اور اس طرح سے ایک ضابطے کے تحت کام ہونے لگا۔ شاعری اور ڈرامے تخلیق ہونے لگے اور نثر کی طرف بھی توجہ دی جانے لگی۔ اس دور کے فنکاروں شاعروں اور ڈراما نگاروں میں محمود ہاشمی، راج ہنس کھنہ، شیو دھیان سنگھ چوہان، پریم ناتھ پردیسی، سوم ناتھ زتشی، قیصر قلندر، علی محمد لون، صلاح الدین احمد، دینا ناتھ نادم، موہن لال ایمہ، اوشا کشپ، خورشید، نور محمد روشن، گردھاری لعل در، پران کشور، سمتر الکھوارا، سنتوش لکھوارا، اچلا سچدیو، درگا سنگھ اور شیلا بھاٹیہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔

(۱) پریم ناتھ پردیسی۔ عہد شخص اور فنکار از ڈاکٹر برج پریمی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

پروفیسر محمود ہاشمی پہلے ڈراما نگار تھے جن کا ڈراما کشمیریہ ہے۔ اس زمانے میں اسٹیج ہوا اور پسند کیا گیا۔ دراصل ریاست میں نئے تھیٹر کا آغاز اسی ڈرامے سے ہوتا ہے اور مردوں کے ساتھ ساتھ پہلی بار زنانہ کردار سامنے آئے۔ پروفیسر ہاشمی نے اس کے بعد کئی اور کامیاب ڈرامے لکھے جن کو لوگوں نے کافی سراہا۔

ریڈیو کشمیر سرینگر کا قیام جولائی ۱۹۴۹ء کو عمل میں آیا۔ اول اول تو اس کے پروگراموں کے ترتیب دینے میں جن شخصیات کا تعلق رہا۔ ان میں خواجہ احمد عباس، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، سہیل عظیم آبادی، ارجن دیو رشک، قیصر قلندر، کمال احمد صدیقی اور عبدالحق برق کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ ریڈیو کشمیر جموں کے وجود میں آتے ہی دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب کی سرگرمیاں بھی تیز تر ہونے لگیں ان سرگرمیوں میں اردو کے معروف افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی کے آنے سے اور بھی اضافہ ہوگیا (۱) امقامی زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو پروگرام بھی باقاعدگی سے نشر ہونے لگے۔ بعض اچھے اور معیاری اُردو ڈرامے بھی پیش ہونے لگے اور اس طرح سے اُردو ادب کی اس صنف کو کافی فروغ ملا۔ نئے نئے ڈراما نگار منظر عام پر آئے اور ڈراما نگاروں اور پیش کاروں کے ساتھ ساتھ عوام کی دلچسپی میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ معروف ادیب اور فلم ساز خواجہ احمد عباس کا ڈراما چودہ گولیاں اولین ڈرامہ ہے جو ریڈیو کشمیر سے نشر ہوا۔ اس ڈراما کے ساتھ ساتھ جن ڈراما نگاروں نے اس صنفِ ادب سے دلچسپی لی اور بعض اچھے ڈرامے لکھے۔ اُن میں کرتار سنگھ دُگل، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر شکیل الرحمٰن، جتیندھر شرما، رفیہ منظور الامین، راہی معصوم رضا، ویدراہی، ٹھاکور پونچھی، علی محمد لون، قیصر قلندر، سومناتھ زتشی بنسی نردوش، موہن یاور، شبنم قیوم، حامدی کاشمیری، پشکر ناتھ اور آفاق احمد کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ ان ڈراما نگاروں نے کئی سبق آموز ڈرامے لکھے جو ریڈیو سے بھی نشر ہوتے رہے اور اسٹیج پر بھی پیش کئے گئے۔ ریڈیو جموں

(۱) ریاست کا پہلا ریڈیو اسٹیشن جموں میں قائم ہوا۔ اس کے سات ماہ کے بعد سرینگر میں دوسرا اسٹیشن قائم کیا گیا۔ 'بیدی' صاحب اس کے پہلے ڈائریکٹر تھے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اور کشمیر کے اسٹیشنوں سے پیش ہونے والے بعض ڈرامے قومی ایوارڈ کے لئے منتخب کئے گئے۔ دوبالیاں گیہوں کی، چراغ اور سائے، چنار اور سفر وغیرہ جیسے ڈرامے قومی سطح کے مقابلے میں کامیاب قرار دئے گئے۔ ریڈیو کشمیر سرینگر کے زیر اہتمام جشن تمثیل پروگرام میں ہر سال نئے نئے ڈرامے پیش ہوتے رہے اور ڈرامائی ہفتہ کے بعد بہترین ڈرامہ چن لیا جاتا ہے۔

اُردو ڈراما نگاری کو فروغ دینے میں دور درشن کیندر کی مساعی کو کسی بھی صورت میں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ سرینگر دور درشن نشریات کا آغاز ۱۹۷۳ء سے ہوا۔ اول اول تو ہفتے میں صرف ایک بار دور درشن سے پروگرام نشر ہوتے رہے۔ ریاست کی سرکاری زبان ہونے کی وجہ سے مقامی زبانوں کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کو بھی فوقیت حاصل ہے۔ جموں دور درشن کا آغاز سرینگر دور درشن کے مقابلے میں بہت بعد میں ہوا لیکن جہاں تک اردو ڈراموں کا تعلق ہے۔ دور درشن کے دونوں اسٹیشوں (جموں و کشمیر) سے باقاعدہ طور پر ڈراموں کے ساتھ ساتھ مختلف سماجی یا بین الاقوامی موضوعات پر سیریل بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ ریاست کے ان دور درشن کیندروں سے بے شمار ڈرامے اور سیریل ٹیلی کاسٹ ہوئے ہیں۔ نئے نئے ادیب اور ڈراما نگار سامنے آئے۔ کلاسیکل فن پاروں کے ساتھ ساتھ دور جدید کے قلم کاروں کے بے شمار یک بابی ڈرامے، فل لینگتھ پلے اور بے شمار سیریل دور درشن کیندر سرینگر اور جموں سے ٹیلی کاسٹ ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ پریم چند، مرزا غالب، اقبال سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، بیدی، آغا حشر کاشمری، کے فن پاروں کو بھی ریڈیو کے ساتھ ساتھ دور درشن کیندروں نے نہایت ہی سلیقے سے پیش کیا۔ جن کو لوگوں نے کافی سراہا نہ کی۔ بعض ڈراموں کے تراجم کئے گئے اور بعض ڈراموں کو فلمایا گیا۔ اس طرح سے مقامی ادیبوں اور ڈراما نگاروں کی صلاحیتوں کو تقویت دینے میں دور درشن نے اہم کردار ادا کیا۔ علی محمد لون، ٹھاکور پونچھی، نریندر کھجوریہ، ستار احمد شاہد، پشکر ناتھ، بشیر شاہ، وجے سوری، سجود سیلانی، ہری کرشن کول، شبنم قیوم، آنند لہر، سوہن لال کول کے نام اس دور کے ڈراما نگاروں میں بہت ہی اہم ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اُردو ڈراما کو تقویت دینے میں جموں وکشمیر کلچرل اکادمی کی مساعی کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس ادارے کی منظوری جولائی ۱۹۵۸ء میں آئین ساز کی دفعہ ۱۴۶ کے تحت صدر ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ نے دی اور تب سے یہ ادارہ ریاست جموں وکشمیر کے کلچر، تہذیب، تمدن اور ادب کو فروغ دینے میں پیش پیش ہے۔ گذشتہ برسوں سے اس ادارے نے بڑے کارنامے انجام دیئے ۔ یہ ادارہ زبان، ادب، موسیقی، اسٹیج، رقص اور ثقافت کے مختلف شعبوں کی آبیاری کرتا رہا اور اُردو ڈرامے اسٹیج کرنے کے لئے مالی امداد بھی فراہم کرتا رہا ہے۔ ڈراموں کے بہترین مسودات پر ڈراما نگاروں کو گراں قدر اعزازات سے نوازا جارہا ہے۔

ڈاکٹر برج پریمی ریاستی کلچرل اکادمی کی ادبی خدمات اور اُردو ڈرامے کے توسیع کے سلسلے میں اکادمی کے رول کی سراہانہ کرتے ہوئے اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

> ''ریاستی کلچرل اکادمی کی خدمات کو بھی اُردو ڈرامے کی توسیع کے سلسلے میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ادارہ برس ہا برس سے ڈراما کے جشن مناتا رہا ہے۔ اس کے اہتمام سے کئی ڈراما کلب وجود میں آئے ہیں ۔ جن کی باضابطہ طور پر مالی امداد فراہم ہوتی ہے۔ جس نے نہ صرف اسٹیج سے تعلق رکھنے والے فنکاروں کو آگے بڑھنے کے امکانات مہیا کئے ہیں بلکہ ڈراما لکھنے والوں کی صلاحیتوں کو بھی اُجاگر کیا ہے۔'' (۱)

اس طرح سے بے شمار ڈراما نگار منظر عام پر آئے ۔ ان میں سے بیشتر ڈراما نگاروں کا رجحان افسانہ نگاری کی طرف تھا۔ لیکن ریاست میں ڈراما نگاری کو فروغ دینے میں انہوں نے اپنا بھرپور تعاون پیش کیا۔ ایسے تخلیق کاروں میں پردیسی، پریم ناتھ دھر، علی محمد لون، بنسی نردوش، اختر محی الدین، ہردے کول بھارتی، شکیل الرحمٰن، ہری کرشن کول، حامدی کاشمیری، فاروق مسعودی، ویدراہی، غلام رسول سنتوش، نورشاہ، پشکرناتھ، رام کمار ابرول،

(۱) ڈاکٹر برج پریمی: جموں وکشمیر میں اُردو ادب کی نشو ونما ص ۱۰۲

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

وجے سوری وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں جنہوں نے اُردو ڈراما نگاری کو چار چاند لگا دیئے۔ زبان شستہ ہونے لگی فارسی اور اُردو کے ثقیل الفاظ دور ہونے لگے، کرداروں میں حرکت آنے لگی۔ مکالمے چُست ہونے لگے اور اس طرح سے اُردو ڈرامے کا سفر جاری ہے اور آگے بھی یہ اسی آب وتاب کے ساتھ اپنی مسافت طے کرتا رہے گا جس آب وتاب کے ساتھ اس نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔ اُردو ڈراما کو جن پر ڈوسروں نے اپنی محنت لگن اور بے پناہ صلاحیت سے بامِ عروج پر پہنچا دیا۔ اُن میں پران کشور کا نام سرفہرست ہے۔ وہ خود بھی ایک اچھے ڈراما نگار ہیں اور ابتدا سے ہی تھیٹر تحریک سے وابستہ رہے ہیں۔ اُنہوں نے درجنوں ڈرامے لکھے اور ریڈیو سے پیش کئے۔ آج کل وہ دوردرشن کی مختلف چینلوں کے لئے کام کرتے ہیں۔ وید راہی کسی تعارف کے محتاج نہیں، وہ بھی ایک منجھے ہوئے فنکار ہیں۔ خود بھی ڈراما لکھتے ہیں اور اس کو پیش کرنے میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ فاروق نازکی، اشوک جیلخانی، تریلوک داس، مکھن لال صراف، سی ایل شرما، پیارے لال رازدان، اور سوہن لال کول کے نام اردو ڈرامے کو فروغ دینے میں پیش پیش ہیں۔

جہاں گیر کی موت، سورگ کی کھوج، پرانے دیپ نئے اُجالے، انگ مان اور انسان جیت گیا، دھرتی اور ہم، چکی کے پاٹ، بعض سبق آموز ڈرامے ہیں۔ یہ ڈرامے زیڈ سیمی، دینو بھائی پنت، نرہری رائے زادہ، وجے سمن، رام کمار ابرول وغیرہ نے بالاترتیب لکھے ہیں۔ اس طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست میں ڈراما نگاروں کی کمی نہیں۔ بے شمار باصلاحیت ڈراما نگار ہیں جو وقتاً فوقتاً اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اردو زبان وادب کے ساتھ ساتھ ڈرامے کی آبیاری کرتے رہے۔ اس لئے یہ کہنے میں باک نہیں کہ اردو نثر کی یہ طاقتور صنف زوال پذیر نہیں بلکہ اس کے آگے جانے کے بہت سے امکانات ہیں۔

ڈراما نگاروں کے ساتھ ساتھ ڈراما کے نقاد بھی پیدا ہوئے محمد عمر نور الٰہی کے کارہائے نمایاں سے کون واقف نہیں۔ اُن کی تصنیف 'ناٹک ساگر' کو اُردو ڈراما نگاری کی مستند تاریخ تصور کی جاتی ہے۔ ان کے بعد جن حضرات نے ڈراما کے فن اور تکنیک کے بارے میں لکھا

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ان میں پروفیسر محمود ہاشمی ، پروفیسر عبدالقادر سروری، ڈاکٹر حامدی کاشمیری، ڈاکٹر ظہور الدین، ڈاکٹر برج پریمی، قیصر قلندر، ڈاکٹر محمد اسداللہ وانی، ڈاکٹر طاہرہ عبداللہ، ڈاکٹر اکبر حیدری، ڈاکٹر شکیل الرحمٰن، ڈاکٹر منظر اعظمی، ڈاکٹر وجے دیوسنگھ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اُردو کے ڈرامائی ادب میں ایسے بھی بعض اچھے اور فکر انگیز ڈرامے ہیں جو نہ ابھی تک نشر ہوئے ہیں، نہ ٹیلی کاسٹ ہوئے اور نہ اسٹیج ہوئے ہیں۔ بلکہ مختلف اخباروں، کتابوں، اور جرائد میں چھپ چکے ہیں۔ ایسے ڈراموں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ ان میں سے بعض کلاسیکی ڈرامے ہیں اور بعض عصر حاضر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان ڈراموں کو تلاش کر کے منظر عام پر لانے کی ضرروت ہے۔

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اُردو افسانے کی آبرو
ــــ سعادت حسن منٹو
(منٹو کی ۵۴ ویں برسی کے موقعہ پر)

ڈاکٹر برج پریمی، منٹو کے فن میں عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی کتاب میں ایک جگہ رقمطراز ہیں:۔

''سعادت حسن منٹو ایک عظیم فنکار ہیں۔ اُن کی عظمت کا ایک زبردست ثبوت یہ ہے کہ ان کی شخصیت اور فن اپنے معاصرین اور متاخیرین کے لئے بے حد متنازعہ فیہ رہا ہے۔ اُن کے بیشتر افسانوں نے بحث و تمحیص کے دفتر کھول دیئے۔ اُنہوں نے ہندوستانی تہذیب کے پس منظر میں سماجی، ذہنی اور فکری زندگی کی عکاسی کی ہے اور ہندوستانی سماج میں رستے ہوئے ناسوروں پر نشتر رکھ دیئے ہیں۔'' (۱)

(۱) سعادت حسن منٹو۔ حیات اور کارنامے۔ از ڈاکٹر برج پریمی ص ۱۰

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

سعادت حسن منٹو اُردو کے ایک بلند قامت افسانہ نگار تصور کئے جاتے ہیں۔ اُنہوں نے بے شمار افسانے، ڈرامے، خاکے اور مضامین لکھے۔ اپنی تخلیقات میں اُنہوں نے ہر طبقہ کے لوگوں کی نمائندگی کی اور اپنے فن کو زندگی کے قریب لا کھڑا کر دیا۔ وہ ایک بڑے حقیقت نگار تھے، جن کی تخلیقات میں سماج کا رِستا ہوا ناسور ٹپکتا ہے۔ اسی لئے وہ اپنے معاصرین میں ایک الگ اور انفرادی راستہ بنانے میں کامیاب ہوئے۔ منٹو نے ایک ناول بھی لکھا، وہ فلمی کہانیاں اور منظر نامے لکھنے میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اُنہوں نے بحیثیت ایک مترجم کے بھی دُنیائے ادب میں اپنا لوہا منوایا لیکن بنیادی طور پر وہ ایک افسانہ نگار تھے اور اسی نثری صنف میں اُنہوں نے شہرت حاصل کی۔ معروف ترقی پسند شاعر اور نقاد علی سردار جعفری، منٹو کے فن کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> ''منٹو کی افسانہ نگاری ہندوستان کے درمیانی طبقے کی مجرم ضمیر کی فریاد ہے۔ اسی لئے منٹو اُردو کا سب سے زیادہ بدنام افسانہ نگار ہے۔ اور وہ بدنامی جو منٹو کو نصیب ہوئی ہے۔ مقبولیت اور شہرت کی طرح صرف کوشش سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس کے لئے فنکار میں اصل جوہر ہونا چاہئے اور منٹو کا جوہر اس کے قلم کی نوک پر نگینے کی طرح چمکتا ہے۔''

سعادت حسن منٹو ۱۱ مئی ۱۹۱۲ء میں سمبرالہ ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد مولوی غلام حسن منٹو پیشے سے سب جج تھے اور عوام میں عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ منٹو نے ایم، اے، او مڈل اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ شریف پورہ امرتسر کے مسلم ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد ہندو سبھا کالج امرتسر میں داخلہ لیا۔ اس زمانے میں وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسرے مشاغل میں حصہ لینے لگے۔ پڑھنے سے ان کی دلچسپی کم ہونے لگی اور وہ ایف اے امتحان میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کی طبیعت اُوب گئی اور وہ قمار بازی اور آوارہ گردی کی طرف مائل ہونے لگے۔ ان حالات نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اُن کے دل میں ایک طوفان پیدا کیا۔ وہ تکیوں اور قبرستانوں میں گھومنے لگے اور چرس اور شراب کا سہارا لیتے رہے۔ خود اس بات کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"یہ وہ زمانہ تھا جب میں نے آوارہ گردی شروع کر رکھی تھی۔
طبیعت ہر وقت اچاٹ سی رہتی تھی۔ ایک عجیب قسم کی کُد بُد ہر وقت
دِل و دماغ میں ہوتی رہتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ جو چیز بھی سامنے آئے،
اسے چکھوں خواہ وہ انتہائی درجے کی کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔" (۱)

منٹو کو پڑھنے لکھنے کی طرف شروع سے ہی دلچسپی تھی۔ لیکن اُن کا یہ شوق صرف جاسوسی ناولوں کے مطالعے تک ہی محدود رہا۔ وہ نصابی کتب کا مطالعہ کرنے سے ہر بار گریز کرتے تھے۔ چنانچہ بار بار اسکول سے بھاگ جاتے تھے اور آوارہ گردی کرتے رہتے تھے۔ اُن کی شرارتوں اور شوخیوں میں دِن بدن اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ ایک زمانے میں وہ ٹامی کے نام سے پکارے جانے لگے۔

منٹو کے والد ۱۹۳۳ء میں ستر سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ اُس وقت منٹو کی عمر صرف ۲۱ سال تھی۔ والد کے انتقال کے بعد منٹو پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ گھر میں افلاس اور ناداری کے سائے منڈلانے لگے۔ اُنہیں ذریعہ معاش کی تلاش میں دردر بھٹکنا پڑا۔ آخر وہ اپنے ایک دوست مظفر حسین شمیم کی سفارش پر ۴۰ روپئے ماہوار تنخواہ پر "پارس" کے ادارۂ تحریر میں شامل ہوئے لیکن اس پرچے کی پالیسی سے منٹو خوش نہیں تھے لہٰذا وہ جلد ہی اس پرچے سے بے دخل ہو گئے۔ منٹو کو بچپن سے ہی فلمی دُنیا سے لگاؤ تھا وہ شروع سے ہی اپنے کمرے کے دیواروں پر فلمی اداکاروں کی تصویریں سجا سجا کر رکھتے تھے۔ ڈراموں کو اسٹیج کرنا چاہتے تھے۔ اُنہیں موسیقی سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ دراصل اُن کے اندر ایک حقیقی آرٹسٹ چھپا ہوا تھا۔ منٹو نے بہت سی فلمیں کہانیاں اور منظر نامے لکھے جن میں مجھے پاپی کہو، کسان کنیا، چل چل رے نوجوان، بیگم، کیچڑ، شکاری، آٹھ دن، گھمنڈ، دوسری کوٹھی وغیرہ اُن کی کامیاب فلمیں ہیں۔ مرزا غالب بھی منٹو کی

(۱) بحوالہ سعادت حسن منٹو۔ حیات اور کارنامے۔ از ڈاکٹر برج پریمی۔ ص ۲۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ایک کامیاب فلم ہے، جس کو معروف ہدایت کار اور فلم ساز سہراب مودی نے فلمایا۔

سعادت حسن منٹو کے آبا و اجداد کشمیری تھے۔ وہ کشمیری پنڈتوں کے سرسوتی برہمن (۱) کی شاخ سے تعلق رکھتے تھے اور کسی زمانے میں وادیٔ کشمیر سے ہجرت کر کے امرتسر میں آباد ہو گئے تھے۔ منٹو کو اپنے کشمیری ہونے پر فخر تھا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے:۔

''میں کشمیری ہوں۔ بہت عرصہ ہوا ہمارے آبا و اجداد کشمیر سے ہجرت کر کے پنجاب آئے اور مسلمان ہو گئے۔'' (۲)

وہ شاعر کشمیر مہجور کا کشمیری سے گہری عقیدت رکھتے تھے لیکن اُنہیں اس بات کا ملال تھا کہ اُنہوں نے کشمیر کو نہیں دیکھا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

''کشمیر میں نے نہیں دیکھا ہے لیکن کشمیری دیکھے ہیں۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ میں نے مہجور کو نہیں دیکھا ہے۔'' (۳)

منٹو نے کشمیر اپنی کھلی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ وہ بٹوت تک گئے تھے، جہاں سنی ٹوریم میں تپ دِق کا علاج کرنے کے لئے اُن کا صرف تین ماہ (۴) تک قیام رہا۔ بٹوت میں اُن کا پہلا عشق پروان چڑھا۔ وہ بیگو نامی ایک چرواہن سے عشق کرنے لگے بعد میں اُنہوں نے اسی عنوان سے اپنا ایک قابل قدر افسانہ لکھا۔ قیام بٹوت کے دوران میں اُنہوں نے وہاں کے پس منظر میں اور بھی بہت سے افسانے لکھے۔ جن میں ایک خط 'مصری کی ڈلی، موسم کی شرارت، لالٹین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام افسانے اُن کے تصور عشق کی غمازی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر برج پریمی، جو سعادت حسن منٹو کی شخصیت اور فن پر نہایت ہی معتبر اور فکر انگیز تصانیف لکھ چکے ہیں اور برصغیر ہندو پاک کے علمی و ادبی حلقوں میں ماہر منٹویات کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں، منٹو کے اُس دور کے افسانوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

(۱) بحوالہ اُردو تھیٹر حصہ سوم۔ ڈاکٹر عبدالحلیم نامی ص ۲۰۷

(۲) سعادت حسن منٹو۔ حیات اور کارنامے۔ از ڈاکٹر برج پریمی۔ ص ۵۸

(۳) بحوالہ منٹو کتھا: از ڈاکٹر برج پریمی۔ ص ۱۸۰

(۴) سعادت حسن منٹو۔ حیات اور کارنامے۔ از ڈاکٹر برج پریمی۔ ص ۴۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

> ''بٹوت کے قیام کے دوران منٹو کی زندگی میں ایک اہم واقعہ رونما ہوا، اُن کی ملاقات بیگو نامی ایک چرواہن سے ہوئی۔ یہ ملاقات جلد ہی عشق میں تبدیل ہوگئی۔ اس عشق کی پرچھائیاں اُن کے بہت سے افسانوں میں نظر آتی ہے۔ ایک خط 'بیگو' مصری کی ڈلی' موسم کی شرارت، لالٹین وغیرہ میں اس معصوم محبت کی جھلکیاں واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں .... یہ افسانے اُن کے تصورِ عشق کے بعض اہم گوشے نمایاں کرتے ہیں۔'' (۱)

منٹو ایک حقیقت پسند فنکار تھے۔ ان کے افسانے حقائق پر مبنی ہوتے ہیں۔ وہ فرضی قصوں کو اپنی تخلیقات میں جگہ دینے کے قائل نہیں۔ اُنہوں نے زندگی کے زہر کو امرت سمجھ کر پی لیا تھا۔ اسی لئے اُن کے افسانے حقیقت کے قریب ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر برج پریمی، منٹو کی افسانہ نگاری کو چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔ وہ ابتداء سے ۱۹۳۷ء تک ہفت روزہ مصور بمبئی کی ادارت تک منٹو کی ادبی زندگی کا پہلا دور متعین کرتے ہیں۔ اس دور میں منٹو کو باری علیگ کی رہنمائی حاصل تھی۔ اُردو کے ساتھ ساتھ فرانسیسی اور روسی ادب کے ساتھ اُن کی گہری دلچسپی تھی۔ اس دور میں اُنہوں نے بہت سے فرانسیسی اور روسی فن پاروں کو اُردو میں منتقل کیا اور اس کے ساتھ ساتھ بے شمار افسانے لکھے۔

منٹو کے افسانہ نگاری کا دوسرا دور ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک متعین ہوتا ہے۔ اس دور میں اُن کے افسانوں میں رومانیت کے ساتھ ساتھ سماجی حقیقت نگاری کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ اس دور میں اُنہوں نے سماج کے مختلف طبقوں کے لوگوں کو قریب سے دیکھا اور اُن کے حالات کو اپنے تخلیقی جوہر سے اپنے افسانوں میں سمویا ہے۔

منٹو کی افسانہ نگاری کا تیسرا دور ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۸ء تک کے ادب پر محیط ہے۔ وہ تقسیم ملک سے خوش نہیں تھے۔ وہ قتل و غارت، خون ریزی، جنگ و جدل، بربریت اور مار دھاڑ کے خلاف تھے۔ اُنہوں نے اپنے اس دور کے افسانوں میں نہایت ہی بلیغ انداز میں

(۱) سعادت حسن منٹو۔ حیات اور کارنامے۔ از ڈاکٹر برج پریمی۔ ص ۲۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اپنے موقف کو بیان کیا ہے اور سیاسی بازی گروں کا پردہ چاک کیا ہے۔ اس ضمن میں اُن کا افسانہ ٹوبہ ٹیک سنگھ مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایک جگہ ملک کے بٹوارے پر آنسو بہاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ ہندوستان اپنا وطن ہے یا پاکستان اور وہ لہو کس کا ہے جو ہر روز اتنی بے دردی سے بہایا جا رہا ہے۔ وہ ہڈیاں کہاں جلائی یا دفن کی جائیں گی جن پر سے مذہب کا گوشت پوست چیلیں اور گدھ نوچ نوچ کر کھا گئے ہیں۔'' (۱)

ایک اور جگہ اپنے مخصوص انداز میں لکھتے ہیں:۔

''یہ مت کہو کہ ایک لاکھ مسلمان اور ایک لاکھ ہندو مرے۔ یہ کہو کہ دو لاکھ انسان مرے۔ ایک لاکھ ہندو مار کر مسلمانوں نے یہ سمجھا ہوگا کہ ہندو مذہب مر گیا ہے لیکن وہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ اسی طرح سے ایک لاکھ مسلمان قتل کر کے ہندوؤں نے بغلیں بجائی ہوں گی کہ اسلام ختم ہو گیا مگر اسلام پر ایک ہلکی سی خراش بھی نہیں آئی۔ وہ لوگ بے وقوف ہے جو سمجھتے ہیں کہ بندوقوں سے مذہب شکار کیا جا سکتا ہے۔ مذہب، دین، دھرم، ایمان، یقین، عقیدت جو کچھ بھی ہے ہمارے جسم میں نہیں روح میں ہوتا ہے۔ چھرے، چاقو یا گولی سے فنا نہیں ہو سکتا۔'' (۲)

منٹو کی افسانہ نگاری کا چوتھا اور آخری دور ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۵ء تک محیط ہے۔ اس دور میں اُن کے افسانے انسانی زندگی کے زیادہ قریب نظر آتے ہیں۔ وہ حقائق بیان کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ اُن کے بعض افسانے معتوب قرار دیئے گئے جن میں کالی شلوار، بُو،

(۱) مرلی کی دُھن از سعادت حسن منٹو

(۲) خالی بوتلیں خالی ڈبے۔ از منٹو۔ ص ۲۳

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

ٹھنڈا گوشت، دھواں، اوپر نیچے درمیان اور کھول دو وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ ٹھنڈا گوشت فنی لحاظ سے مکمل افسانہ ہے۔ کھول دو، بٹوارے کے پس منظر میں لکھی گئی ایک بہترین کہانی ہے۔ ۱۹۱۹ء کی ایک بات کا موضوع قومیت اور وطنیت ہے اور ٹیٹوال کا کُتّا، کشمیر کے موضوع پر منٹو کا لکھا ہوا ایک جاندار افسانہ ہے۔ چند اقتباسات:۔

''ساری رات رندھیر کو اس کے بدن سے عجیب وغریب قسم کی بُو آتی تھی۔ اس بُو کو جو بیک وقت خوشبو اور بدبو تھی۔ وہ تمام رات پیتا رہا تھا۔ اس کی بغلوں سے، اس کی چھاتیوں سے، اس کے بالوں سے، اس کے پیٹ سے ہر جگہ سے یہ بُو جو بدبُو بھی تھی۔

''ڈاکٹر نے اسٹریچر پر پڑی لاش کی طرف دیکھا۔ اس کی نبض ٹٹولی اور سراج الدین سے کہا۔ کھڑکی کھول دو۔

سکینہ کے مردہ جسم میں جنبش پیدا ہوئی۔ بے جان ہاتھوں سے اس نے ازار بند کھولا اور شلوار نیچے سرکا دی۔ بوڑھا سراج الدین خوشی سے چلایا۔ زندہ ہے۔ میری بیٹی زندہ ہے۔ ڈاکٹر سر سے پیر تک پسینے میں غرق ہوگیا۔'' (کھول دو)

''اب اسے اپنے ہم وطن کے خلاف لڑنا تھا۔ جو کبھی اس کا ہمسایہ تھا۔ جس کے خاندان سے اس کے خاندان کی پشت ہا پشت کے دیرینہ مراسم تھے۔ اب اس کا وطن وہ تھا جس کا پانی تک بھی اس نے کبھی نہیں پیا تھا۔ پر اب اس کی خاطر ایک دم اس کے کاندھے پر بندوق رکھ کر یہ حکم دیا گیا تھا کہ جاؤ یہ جگہ جہاں تم نے ابھی گھر کے لئے اینٹیں بھی چنیں، جس کی ہوا اور جس کے پانی کا مزا بھی ابھی تک تمہارے منہ میں ٹھیک طور نہیں بیٹھا تمہارا وطن ہے۔'' (آخری سیلوٹ)

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ان مثالوں سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ منٹو ایک بے باک قلم کار تھے۔ اُنہوں نے اپنے تجربات کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر اُردو افسانے کو نئی سمت عطا کی اور اپنی بھرپور صلاحیت کا استعمال کر کے اس میں ایک نیا انقلاب لایا۔ بلاشبہ وہ اُردو افسانے کی آبرو ہے۔ اُن کے بعد بے شمار افسانہ نگار پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے خون جگر سے اس صنف کی آبیاری کی۔ لیکن جو بات منٹو کے فن میں ہے وہ کسی اور افسانہ نگار میں نظر نہیں آرہی ہے اور یہی کیا کم اہم ہے۔

●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

جمیل مظہری

ــــ ہندوستانی ادب کے معمار

مظہر امام معتبر شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باصلاحیت مونوگرافر بھی ہیں۔ جمیل مظہری کے نام سے وہ ایک مونوگراف لکھ چکے ہیں۔ جو ہندوستانی ادب کے معمار سیریز کے تحت ساہتیہ اکادمی نئی دہلی نے ۱۹۹۲ء میں شائع کیا۔ یہ مونوگراف ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

کسی شاعر یا ادیب پر مونوگراف لکھنا اور اس کی شخصیت اور فن کے تمام پہلوؤں کو اُجاگر کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مونوگراف، شاعری، افسانے یا مضامین لکھنے کے زمرے میں نہیں آتا ہے بلکہ یہ ایک صبر آزما فن ہے۔ اس پر بہت کم لوگ توجہ دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے ساہتیہ اکادمی کی کوششیں قابل ستائش ہیں۔ جنہوں نے چند برسوں سے تحقیقی وتنقیدی تصانیف کی اشاعت کے ساتھ ساتھ مونوگراف لکھوانے کا سلسلہ بھی شروع کیا ہے۔ چونکہ اکادمی کا دائیرہ عمل بہت وسیع ہے اور مالی لحاظ سے بھی یہ ایک خود کفیل ادارہ ہے۔ جس کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

وجہ سے تصنیف وتالیف کی اشاعت فوراً عمل میں لائی جاتی ہے اوراس کے ساتھ ہی ساتھ ہرایک تسلیم شدہ زبان میں مونوگراف کا ترجمہ بھی کروایا جاتا ہے۔اس طرح سے کسی شخصیت پر لکھے گئے مونوگراف کا ایک دوسری زبان میں سمجھنے اور جاننے والے آسانی سے مطالعہ کر سکتے ہیں اوراس طرح سے مختلف زبانوں کے ادبی ورثے سے وہ متعارف ہوجاتے ہیں۔

ساہتیہ اکاڈمی کی طرف سے اب تک جن مختلف زبانوں میں مونوگراف لکھوائے گئے ہیں اُن میں اردو زبان بھی شامل ہے اوراس زبان میں بہت ہی اچھے اور فکر انگیز مونوگراف لکھوائے گئے ہیں اردو میں اب تک جن تحقیق کاروں، ادیبوں اور شاعروں پر مونوگراف لکھوائے گئے ہیں ان میں جمیل مظہری کا نام نمایاں طور پر لیا جاسکتا ہے جنھوں نے اُردو شعروادب کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیئے ہیں۔

جمیل مظہری کسی تعارف کے محتاج نہیں ۔وہ ایک مستند شاعر بھی تھے اور ایک اعلیٰ پایہ کے نثر نگار بھی۔ان کی شخصیت اور فن پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔جن میں چند موقر جرائد کے خصوصی نمبرات اور تصانیف شامل ہیں۔بعض یونی ورسٹیوں میں ان پر تحقیقی مقالے بھی لکھے گئے ہیں۔اس طرح سے ان کی شاعرانہ انفرادیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

مظہر امام کا جمیل مظہری سے سالہا سال تک ساتھ رہا ہے۔جمیل نہ صرف ان کے ہم وطن ہی تھے بلکہ وہ مظہر امام کی علمی وادبی صلاحیتوں سے بے حد متاثر تھے۔جس کی مثال مظہر امام کے نام جمیل کے ان دس خطوط سے ملتی ہے جو ڈاکٹر امام اعظم نے اپنی مرتب کردہ کتاب ''نصف ملاقات'' میں شائع کیے ہیں۔مظہر امام بھی علامہ جمیل مظہری سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔اورانہیں میر کارواں کا درجہ دیتے ہیں۔خلوص اور عقیدت کا یہی جذبہ مظہر امام کے مونوگراف میں جگہ جگہ عیاں ہے۔مظہر امام کے زیر بحث مونوگراف کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے علامہ جمیل مظہری کے شعرونثر نیز ان کی ذاتی زندگی کا بغور مطالعہ ومشاہدہ کیا ہے اوران کی تخلیقات کو نئے انداز سے پرکھا اور جانچا ہے۔جمیل مظہری پر تحریر کیا گیا یہ مونوگراف دو حصوں پر مشتمل ہے۔پہلے حصے میں مظہر امام نہ صرف

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

جمیل کے خاندان، پیدائش اوران کی تعلیم کا جائزہ لیتے ہیں بلکہ ان کی ادبی زندگی کے مختلف مراحل اور صحافت سے ان کی دلچسپی کے بارے میں بھی بحث کرتے ہیں۔ مظہر امام جمیل مظہری کے اُس تاریخی خطبے پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ جوانہوں نے اردو لٹریری کانفرنس کے زیر اہتمام جنوری ۱۹۳۶ء کے اوائل میں منعقدہ عظیم الشان کانفرنس میں پیش کیا تھا۔ مظہر امام اس پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

> ''اس خطبے کی تاریخی اہمیت اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ اس وقت تک اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے نئے انداز سے زندگی اور ادب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ یہ خطبہ اتنا فکر انگیز تھا کہ مولانا شوکت علی، خواجہ حسن نظامی، اسحاق امرتسری اور کانفرنس میں موجود بے شمار شرکاء نے علامہ جمیل مظہری کو دل کھول کر داد دی اور اس خطبے کو اردو انشا ادب کا بہترین شاہکار قرار دیا تھا'' (۱)

مظہر امام نے جمیل مظہری کی ملازمت کے بارے میں بھی اطلاعات فراہم کی ہیں اور اُن کے فلمی دنیا سے تعلق کا بھی بڑے دلنشیں انداز میں جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے جمیل مرحوم کی شادی، ان کے انتقال نیز ان کے عادات وخصائل سے بھی قارئین کو آگاہ کرنے کی سعیٔ جمیل کی ہے۔ جمیل مظہری کی شخصیت کا مطالعہ کرنے کے لئے جہاں ایک طرف مظہر امام کے علامہ سے متعلق ان تمام پہلوؤں پر غور کرنا لازمی بن جاتا ہے۔ وہاں دوسری طرف انہوں نے مشہور ڈراما نگار آغا حشر کاشمیری، مولانا ابوالکلام آزاد اور جوش ملیح آبادی سے ان کے روابط کا بھی جائزہ لیا ہے۔ یہ تمام پہلو علامہ جمیل مظہری کی شخصیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ جمیل مظہری کی تصانیف کو بھی مظہر امام نے نہایت ہی دیدہ ریزی اور جانفشانی سے مرتب کیا ہے۔ چند مشاہدات ملاحظہ ہوں۔

(۱) مظہر امام: جمیل مظہری (ہندوستانی ادب کے معمار) ساہتیہ اکاڈمی دہلی ۱۹۹۲ء ص ۱۶۔۱۷

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

''۱۹۳۵ء میں کلکتہ کی خلافت کمیٹی نے مسلم کانفرنس کے اشتراک سے ایک اردو لٹریری کانفرنس کی داغ بیل ڈالی۔ اور سیاسی اختلافات کے باوجود سعید سہروردی، ملا جان محمد وغیرہ نے بھی جمیل مظہری کو مجلس استقبالیہ کا صدر بنا دیا۔ یہ عظیم الشان کانفرنس جنوری ۱۹۳۶ء کے اوائل میں منعقد ہوئی۔ جس میں سیاست تعلیم اور ادب کی کئی مقتدر شخصیتیں شریک ہوئیں۔ صدارت کے فرائض اے۔ کے فضل الحق نے انجام دیئے تھے جمیل مظہری نے انقلابی نوعیت کا ایک استقبالیہ خطبہ پیش کیا۔ اس کی تاریخی اہمیت اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ اس وقت اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک کا آغاز نہیں ہوا تھا'' (۱)

.....

''مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور پروفیسر عبدالباری کے ساتھ مولانا آزاد سے جمیل مظہری کی رسمی ملاقات ہو چکی تھی۔ لیکن ۱۹۳۵ء میں اردو لٹریری کانفرنس میں شرکت کی دعوت دینے کے لئے جب وہ مولانا آزاد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے اردو کے رسائل وغیرہ کے بارے میں کچھ باتیں ہوئیں۔ مولانا سے صحیح معنوں میں اسی وقت تعارف ہوا اور مولانا ابوالکلام آزاد نے ان کی صلاحیت اور جذبِ شوق کو دیکھ کر انہیں ہر سنیچر کو اپنے یہاں باریابی کی اجازت دے دی۔ دو سال تک جمیل مظہری مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے علم و فضل سے اکتساب فیض کرتے رہے'' (۲)

(۱) مظہر امام۔ جمیل مظہری (ہندوستانی ادب کے معمار) ۱۹۹۲ء۔ ص ۱۶

(۲) ایضاً ص۔ ۲۶

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

مظہر امام نے نہ صرف جمیل مظہری کی شخصیت بلکہ ان کے فن کا بھی مونوگراف میں بڑی عرق ریزی سے جائزہ لیا ہے اور علامہ جمیل مظہری کی فن کارانہ اہمیت متعین کی ہے۔

اس حصے میں مظہر امام نے جمیل کی غزل گوئی، نظم نگاری، مثنویات، مرثیہ نگاری کے علاوہ طنزیہ اور ہجویہ شاعری پر بڑی مدلل بحث کی ہے اور جمیل مظہری کو اردو کے معتبر شعراء میں شمار کیا ہے۔

جمیل کے رنگ تغزل پر غالبؔ، اقبالؔ، انیسؔ، شاد عظیم آبادی، وحشتؔ اور اصغرؔ گونڈوی کے اثرات ہیں۔ انہوں نے خود اپنے آپ کو دبستان غالب کا ایک طالب علم قرار دیا ہے(۱) کلام غالب سے انہوں نے فنی لحاظ سے کافی استفسار کیا ہے۔ چنانچہ ان کی شاعری کے مختلف ادوار میں فن کاری کے اچھے نمونے ملتے ہیں لیکن یہ منزلیں انہوں نے آہستہ آہستہ طے کی ہیں۔ زبان کی سلاست، اسلوب کی روانی، بیان کی پاکیزگی اور معنی آفرینی شروع سے ہی جمیل کی غزلوں میں جھلکتی ہے۔ دوسرے دور میں فنی لحاظ سے غنائیت اور فضا آفرینی زیادہ ملتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عہد رنگیں کے عشقیہ تجربات کا فنی اظہار خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ جمیل کے رنگ تغزل کی ایک ممتاز خصوصیت رجائیت میں لپٹا ہوا سوز و گداز ہے۔ ایسے اشعار میں ان کے سماجی شعور کی پختگی، فکر کی بلندی اور فنی چابکدستی بھی نظر آتی ہے۔ جمیل کی غزلیہ شاعری موضوعاتی اعتبار سے درمیانی دور میں انحراف کرتے ہوئے نظر آتی ہے۔ ان کی غزل گوئی کی بنیاد ان کے عشق کے ذاتی تجربات پر بھی ہے۔ جنہوں نے ان کی بیشتر غزلوں میں گداختگی پیدا کر دی ہے اور جو جذبات وہ بیان کرتے ہیں ان میں عشق کی دھیمی دھیمی آنچ ہے۔ ان کی غزل گوئی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف اپنے الفاظ سے بلکہ مضامین کے اعتبار سے بھی غزل کو ہندوستانی ماحول کے قریب تر کیا ہے۔ مظہر امام نے اپنے مونوگراف میں ان تمام باتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ جمیل مظہری کی غزل کو اردو کا بیش بہا سرمایہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

(۱) جمیل مظہری۔ 'فکر جمیل'۔ مکتبہ ادب پٹنہ ۱۹۵۸ء۔ ص

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

''جمیل مظہری کی غزلوں میں ان کی انفرادی شان ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ ان کے تجربات اور افکار اردو کی غزلیہ شاعری میں انوکھے، نادر اور روش عام سے مختلف ہیں۔ انہوں نے اردو غزل کو نئے البادسے آشنا کیا ہے اور اس کے رنگ وآہنگ کو اپنے لہو کی سرخی اور اپنی آواز کی صلابت عطا کی ہے۔ ان کی بیشتر علامتیں ہماری شعری روایت سے جڑی ہیں۔ لیکن ان کی معنوی جہتیں بالکل نئی ہیں'' (۱)

مظہر امام کے مطابق جمیل مظہری غزل کے ساتھ ساتھ اردو نظم کے بھی منفرد انداز کے شاعر تھے۔ وہ انہیں جوش، سیماب، حفیظ، اختر شیرانی، احسان دانش، ساغر نظامی، روش صدیقی جیسے نظم نگاروں کے صنف میں رکھتے ہیں۔ بقول مظہر امام، علامہ جمیل مظہری اپنے تخلیقی سفر میں اپنے بہت سے معاصرین کی طرح اقبال سے بھی متاثر ہوتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کئی ایسے نظریات پیش کئے ہیں جو اقبال کے نظریات سے مماثلت رکھتے ہیں۔ جمیل کے کلام کے فکری عناصر اس بات کا بین ثبوت ہیں۔ وہ اقبال کی طرح عمل کے فلسفے کا درس دیتے رہے ہیں۔ اور انسان اور انسانیت کے نغمے گاتے رہے ہیں۔ مظہر امام لکھتے ہیں کہ ان پر اقبال کا رنگ ایسا غالب ہو گیا تھا کہ وہ اقبال کو اپنا ''مرشد فن'' قرار دینے لگے۔ (۲)

جمیل مظہری کی شاعری کے ابتدائی دور میں رومانیت غالب ہے۔ اس دور میں وہ اختر شیرانی اور جوش سے قریب نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ان کے کلام کا بیشتر حصہ جو زیادہ تر نظموں پر مشتمل ہے۔ حسن وعشق کے موضوعات سے متعلق ہے لیکن ان نظموں میں بھی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ مروجہ روش سے ہٹی ہوئی ہیں، اور ان میں جمیل مظہری کا مخصوص لب ولہجہ نظر آتا ہے۔ جمیل مظہری اپنی قومی اور انقلابی شاعری میں بلند مقام پر نظر آتے

(۱) مظہر امام۔ جمیل مظہری (ہندوستان ادب کے معمار) ص۔ ۴۴۔۴۵

(۲) مظہر امام۔ جمیل مظہری (ہندوستان ادب کے معمار)۔ ص ۴۷

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہیں۔ایسی نظموں میں نہ صرف وطن کی محبت جھلکتی ہے بلکہ جدوجہد آزادی اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف بغاوت کا احساس بھی ملتا ہے لیکن ان کی شاعری انقلابی بخار کی نذر نہیں ہوئی ہے بلکہ اس میں ایک توازن اور اعتدال پایا جاتا ہے۔جمیل مظہری نے سماجی اور طبقاتی موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ان کی متعدد نظموں میں طنزیہ انداز کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ افکار بھی ملتے ہیں۔ان خصوصیات کے پیش نظر مظہر امام، جمیل مظہری کو اردو نظم کے بڑے شاعر قرار دیتے ہیں وہ اپنے مونوگراف میں رقمطراز ہیں۔

> ''جمیل مظہری کا شمار اُردو نظم کے بڑے شاعروں میں ہوتا ہے۔اقبال کے بعد اردو نظم نگاری کے افق پر جوش ملیح آبادی، سیماب اکبرآبادی، حفیظ جالندھری، اختر شیرانی، احسان دانش، ساغر نظامی، روش صدیقی وغیرہ نے اپنی روشنی بکھیری۔ یہ سب جمیل مظہری کے ہم عصر ہیں۔اور ان اکابر کی صف میں نہ صرف شامل ہیں بلکہ اپنی فکری صلابت اور فنی بالیدگی کے اعتبار سے اپنے کئی ہم عصروں میں ممتاز ہیں۔ان تمام نظم گو شعراء کے یہاں اقبال کا اثر کسی نہ کسی لحاظ سے موجود ہے۔جمیل مظہری کے یہاں بھی یہ تاثر پذیری ملتی ہے۔اقبال کو انہوں نے اپنا مرشد فن کہا ہے لیکن اس تاثر پذیری کے باوجود انہوں نے ہر جگہ اپنی انفرادیت برقرار رکھی ہے''(۱)

جمیل مظہری جامع صفات تھے۔انہوں نے اس دور میں بھی جب کہ قصائد بہت کم لکھے جاتے ہیں۔چند عمدہ قصائد لکھے ہیں اور اس طرح سے دور حاضر میں مانی جائسی، نجم آفندی وغیرہ کے ساتھ انہوں نے اس صنف کو معدوم ہونے سے بچالیا۔جمیل مظہری مثنوی کے بھی شاعر تھے۔ان کی مثنوی آب وسراب، اردو کے مثنوی کی صنف میں ایک قابل قدر

(۱) مظہر امام۔جمیل مظہری (ہندوستان ادب کے معمار) ص۔۴۶

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اضافہ ہے۔اس مثنوی کے ذریعے سے انہوں نے حیات وکائنات، آدمی اور خدا، اور مذہب کے سلسلے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔مظہر امام، آب وسراب، کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ جمیل کی دوسری مثنوی ''جہنم سے'' کا بھی خصوصی ذکر کرتے ہیں اور اسے بھی منفرد انداز کی مثنوی قرار دیتے ہیں۔مظہر امام نے جمیل کا مرثیہ نگار کے طور پر بھی ذکر کیا ہے۔ان کے مطابق جمیل نے پہلا مرثیہ ۳۶ سال کی عمر میں کہا۔وہ انہیں تاریخی اعتبار سے بہ حیثیت مرثیہ نگار جوش پر فوقیت دیتے ہیں (۱) وہ علامہ کی طنزیہ اور ہجویہ شاعری کا بھی خصوصی طور پر ذکر کرتے ہیں۔مظہر امام کے مطابق جمیل مظہری نے اشتر صحرائی کے فرضی نام سے بھی ایک طنزیہ نظم لکھی ہے (۲) جو اس زمانے میں لوگوں نے بہت پسند کی تھی۔

جمیل مظہری کے نثری کارنامے بھی قابل ذکر ہیں۔مظہر امام ان کی نثر کو خصوصی درجہ دیتے ہیں۔ان کے مطابق جمیل کی نثری نگارشات جو دو جلدوں میں شائع ہوئی ہیں۔وہ آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہیں۔مظہر امام کے مطابق علامہ کی بیشتر ابتدائی نثری تحریریں اخباری کالموں کی صورت میں ہیں۔انہوں نے بعض فکر انگیز مضامین بھی لکھے ہیں۔جن میں غبارِ کارواں، میرا نظریہ شعر اور میری شاعری، گناہ کی تجارت، شاد کی استعاراتی شاعری وغیرہ مضامین شامل ہیں۔جمیل نے ایک طویل افسانہ 'فرض کی قربان گاہ پر' لکھا ہے جو بعد میں بقول مظہر امام شکست وفتح کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوا اور انجم مان پوری نے جو خود بھی اعلیٰ درجے کے مزاح نگار اور انشا پرداز تھے، ایک ادبی شاہ کار قرار دیا ہے (۳)

جمیل مظہری پر مظہر امام کا یہ مونوگراف گوناگوں دلچسپی کا حامل ہے۔مظہر امام نے بڑے شگفتہ اسلوب میں علامہ جمیل مظہری کی شخصیت اور فن کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔نیز ان کی نثری کاوشوں کے بارے میں بھی اپنے زریں خیالات پیش کئے ہیں۔

---

(۱) مظہر امام۔جمیل مظہری (ہندوستان ادب کے معمار) ص ۷۳
(۲) ایضاً ۔ص ۷۹
(۳) ایضاً ۔ص ۸۶

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

مرزا غالب اور قومی یکجہتی

ہندوستان ایک عظیم جمہوریہ ہے۔ اس کی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔ یہاں مختلف مذاہب نے آنکھ کھولی۔ ان مذاہب نے اپنے طور سے اس ملک کو عظمت بخشی۔ یہاں کے باسیوں میں مل جل کر رہنے بسنے کا جذبہ بیدار کیا اور اس ملک اور قوم کی بے لوث خدمت کی۔ ہر مذہب نے اس سرزمین میں پیوست ہو کر جذبہ انسانیت کو فروغ دیا اور علم وادب، گیان وعرفان اور عقل ودانش کے دروازے وا کئے۔

جہاں تک اُردو شاعری کا تعلق ہے یہ بھی شروع سے ہی قومی وحدت اور جذبہ حُب الوطنی سے سرشار رہی ہے۔ ولی دکنی سے لے کر عہد حاضر تک شاعروں کی ایک کہکشاں ہیں جنہوں نے ہندوستانی تہذیب وتمدن، رسم ورواج اور قومی یکجہتی کے ساتھ ساتھ حب الوطنی کے نغمے بھی گائے ہیں اور اپنے خیالات سے دُنیا میں انسانیت کا پیغام دیا۔ اس سلسلے میں قلی قطب شاہ ولی دکنی، سودا، میر تقی میر، نظیر اکبر آبادی، مرزا غالب، بہادر شاہ ظفر وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے اشعار سے ہندوستانی عوام کو بیدار کیا اور اُن

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کیا۔

مرزا غالب کی شاعرانہ عظمت سے کون کافر انکار کرسکتا ہے۔ ان کا کلام تمام اصنافِ سخن میں موجود ہے اور وہ ہر جگہ کامیاب نظر آتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہی کہا جاسکتا ہے کہ اُن کا اصل میدان غزل ہے۔ غزل سے اُن کو فطری لگاؤ تھا۔ اسی لئے اُن کی غزلوں میں زندگی کے حقائق جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرزا کا کلام نازک خیالی اور بلند پروازی کے لئے مشہور ہے۔ اُن کی تشبیہیں اور استعارے بالکل غیر معمولی ہوتے ہیں اور کلام میں ایک خاص خصوصیت پیدا کرتے ہیں۔ بلند پروازی کے ساتھ ساتھ صحیح جذبات نگاری کا جوہر ان کے ہاں ملتا ہے۔ فصاحت اور بلاغت ان کی شاعری میں خاص طور پر پائی جاتی ہے۔ سادگی اور پُرکاری اُن کا جوہر ہے۔ وہ روزمرہ اور بامحاورہ زبان استعمال کرنے کے قابل تھے اسی لئے ان کے کلام میں خیال آفرینی پائی جاتی ہے۔ ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ مرزا کی نظم ونثر میں وطن پرستی، قومی یکجہتی اور انسان دوستی کا بھر پور احساس بھی ہوتا ہے، مرزا کی شاعری میں انسانی احساسات اور تجربات کی پیچیدگیاں رمز وعلائم کی حریری پردوں میں چھپی ہوئی ملتی ہیں۔ ان کے استعارے ایک جہان معنی سمیٹے ہوئے ملتے ہیں۔ مجنوں گورکھپوری، غالب کو انسان دوست شاعر قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

> ''وہ انسانی دُنیا اور انسانی فطرت کے رموز ومسائل کے شاعر ہیں۔ ان کا پیغام انسانیت ہے۔ وہ آدمی ہونا اور آدمی رہنا سکھاتے ہیں۔ وہ ہم کو آگاہ کرتے ہیں کہ آدمی کا انسان ہونا آسان نہیں ہے۔ اُنہوں نے صرف انسان پر غور کیا جو شعور کا مکمل نمونہ ہے۔ یہ شعور انسان کا المیہ بھی ہے اور یہی اس کی خیر وبرکت اور اس کی نجات کا ضامن بھی۔''

اس ضمن میں اُن کے چند اشعار پیش کئے جاسکتے ہیں۔ جن سے مرزا کے انسان

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

دوست ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ مثلاً

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

مرزا غالب کی نظم ونثر کا ایک بڑا حصہ سامراج دشمنی اور وطن دوستی کے جذبات سے سرشار ہے۔ اُنہوں نے اپنی شاعری سے عوام کا لہو گرمایا اور ایک نئی دُنیا تعمیر کی۔ مرزا کہیں کہیں علامتوں کے ذریعے سے اور کہیں کہیں واضح اشاروں اور کنایوں سے امن پسندی، انسان دوستی، قومی یکجہتی، عالمی برادری، قوم پرستی اور حب الوطنی کا درس دیتے ہیں۔ ذکاالدین شایان اپنے ایک مقالے میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ''غالب کی غزلیہ شاعری کو دیکھیے تو اندازہ ہوا ہے کہ اس میں غالب کے ماحول کا زندہ اور حقیقی عکس ہے۔ شہر دلی کی رسم ورواج روایات وتہذیب اور معاشرت ومذہب وغیرہ کے بکھرے بکھرے مگر بڑے تیکھے نقوش ملتے ہیں اگر ان نقوش کو جو اشاروں اور علامتوں کے چھوٹے چھوٹے خانوں میں سکڑے ہوئے ہیں، پھیلا دیا جائے تو غالب کے عہد کی بڑی زندہ تصویریں بن سکتی ہیں۔''

مرزا غالب کی زندگی میں ایک اہم موڑ غدرِ ہند کا ہے۔ اس انسانیت سوز واقعے سے ہندوستان کی سیاسی اور سماجی زندگی میں ایک زبردست انقلاب کا باب کھلتا ہے اور ہندوستان کے لوگ صدیوں پرانی غلام در غلام زندگی کی تاریکیوں سے نکلنے کی راہیں تلاش کرنے لگتے ہیں۔ آزادی کی پہلی جنگ کا پہلا پتھر یہیں پہ رکھا جاتا ہے اور اس کے بعد مسلسل یہ جنگ جاری رہتی ہے۔ یہاں تک کہ غلامی کے اندھیروں میں سے آزادی کا

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اُجالا روکنے لگتا ہے۔اس آزادی کو حاصل کرنے کے لئے ہندوستانی عوام کو کتنے ہفت خواں طے کرنا پڑے۔ اس کو بیان کرنے کا یہاں محل نہیں ہے البتہ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اُردو شعراء بھی مختلف سماجی رہنماؤں کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ اُنہوں نے اپنے نغموں سے انقلاب کو آواز دی۔ آزادی کی دیوی کی آرتی اُتاری۔ وقت کے تقاضوں کی ترجمانی کی اور لوگوں میں عزم استقلال ہمت، بہادری اور حب الوطنی کی آگ پیدا کی۔ آزادیٔ وطن کے بے نام خواہش شاطر سامراجوں کی چال بازی پرانے کلچر کی بربادی پر غالب جیسا غزل گو شاعر بھی چپکے چپکے آنسو بہاتا رہا اور اپنے جذبات کاغذ پر انڈیلتا رہا۔ مثلاً

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامنِ باغباں و کفِ گل فروش ہے
لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ — یہ جنت نگاہِ وہ فردوس گوش ہے
یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں — نے وہ سرور و شور نہ جوش و خروش ہے

مرزا غالب مختلف اصنافِ سخن کے وسیلے سے اپنے جذبات و خیالات کو فروغ دیتے رہے لیکن اُردو غزل کو اُنہوں نے اپنے فکر و فن سے تازگی اور توانائی عطا کی۔ مرزا کی شاعری میں بعض جگہوں پر جذبۂ اُنسانیت کا بھرپور احساس ہوتا ہے۔ وہ ہندوستانی کلچر پر فخر کرتے تھے اور ہندوستان کی عظمت کے گیت گاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی لئے عبدالرحمٰن بجنوری وید مقدس اور دیوان غالب کو دو الہامی تصانیف سے تعبیر کرتے ہیں اور رشید احمد صدیقی، غالب کی عظمت کے پیش نظر یہ کہتے ہیں کہ غالب، اُردو اور تاج محل، مغلیہ سلطنت کی عطا کی گئی تین چیزیں ہیں۔ اور یہ تین چیزیں ہندوستان کی ہی پیداوار ہیں اور ہندوستان کے سوا کہیں بھی نظر نہیں آتی ہیں۔ مرزا کی شاعری میں جہاں ایک طرف تاریخی سیاسی کا سماجی اور انقلابی موضوعات بھی ملتے ہیں وہاں کہیں کہیں وہ ظلم اور غلامی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ مثلاً

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

غالب کا یہ شعر سماجی تصوریت پر دلالت کرتا ہے۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

ہے خبر گرم ان کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

دیکھئے غالب یگانگت اور بے تعصبی کے راگ کیسے الاپتے ہیں۔

ہم مُوحِّد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں

غالب کی شاعری انسانی دکھ اور خوشی کے امتزاج کی شاعری ہے۔ انہوں نے اپنے خیالات میں اس وسیع ملک میں بسنے والے لاکھوں انسانوں کی زندگی کی عکاسی کی ہے۔ ان کی شاعری کی عظمت اس بات میں پنہاں ہے کہ ان کی شاعری کی روشنی میں عوام اپنی تہذیب کی سمتیں متعین کرتی رہیں۔ ان کے خیالات بلند اور ان کی نظر ہمہ گیر تھی۔ انہوں نے انسانیت کے لئے جو پیغام دیا ہے اس میں رنگ، نسل و مذہب اور ملت کی کوئی تخصیص نہیں۔ انہی بنیادوں پر غلام رسول میر، مرزا غالب کو انسانیت کا شاعر تصور کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

''غالب۔ کسی خاص گروہ خاص جماعت اور خاص قوم کے شاعر نہ تھے۔ بلکہ اپنے دل و دماغ اور اپنے تاثرات و احساسات کی ہمہ گیری کے باعث کائنات انسانیت کے شاعر ہے۔''

اور یہی کیا کم اہم ہے۔

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

جگن ناتھ آزاد کی نثر نگاری

جگن ناتھ آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ محقق بھی ہیں اور تذکرہ نگار بھی انہوں نے خاکے بھی لکھے ہیں اور مضامین بھی۔ وہ ماہر اقبالیات کی حیثیت سے بھی اپنا لوہا منوا چکے ہیں اور بحیثیت انشا پرداز بھی برصغیر ہندو پاک میں جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ ان کے یہاں شاعری کے ساتھ ساتھ ایک بصیرت افروز تنقیدی ذہن بھی ملتا ہے۔

شاعری سے قطع نظر جب ہم آزاد صاحب کی نثر نگاری پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کا ایک بہت ہی نمایاں پہلو ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ وہ ایک غیر جانبدار محقق اور متوازن شخصیت نگار بھی ہیں۔ نثر نگاری سے ان کی بے پناہ محبت اور دلچسپی کا ثبوت ان کی بے شمار تصانیف ہیں۔ جن میں اقبال کے فکر وفن سے متعلق تصانیف بھی ہیں اور سفر نامے بھی، تحقیقی وتنقیدی مضامین کے مجموعے بھی ہیں اور علمی وادبی شخصیات کے حوالے سے مقالات کے مجموعے بھی۔ لیکن ان کا پہلا عشق اقبال ہے۔ اسی جذبۂ عشق نے انہیں اقبال کے فکر وفن کے مختلف گوشوں کی بازیافت کرنے پر آمادہ کیا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

پروفیسر آزاد کو ایک بہت ہی زرخیز ادبی ماحول وراثت میں ملا۔ ان کے والد پروفیسر تلوک چند محروم اپنے عہد کے ایک نامور شاعر تھے۔ ان کے یہاں شعروادب کی محفلیں اکثر ہوا کرتی تھیں جن میں حفیظ جالندھری، ہری چند اختر عدم، عبدالعزیز فطرت، ضیا سرحدی، اظہر امرتسری اور کئی دوسرے سرکردہ شعرا شامل ہوتے تھے۔ آزاد صاحب کی شاعری اسی ماحول میں پروان چڑھی۔ انہوں نے شاعری کے ساتھ ساتھ نثر نگاری کے شعبے کو بھی سنجیدگی سے اپنالیا۔ ان کا پہلا تنقیدی مقالہ ۱۹۳۸ء میں ہمایوں لاہور (۱) میں شائع ہوا جو اقبال کے فکر وفن سے متعلق تھا۔ اس کے بعد وہ نثر نگاری کے مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دیتے رہے اور خوشی کی بات یہ ہے کہ ان تمام شعبوں میں انہوں نے اپنی انفرادیت برقرار رکھی۔

اقبالیات کے موضوع پر آزاد صاحب کا وسیع کام ہے۔ اس شعبے میں ان کی تصانیف علامہ اقبال کے تئیں ان کی گہری عقیدت کی غماز ہیں۔ انہوں نے اس عظیم فلسفی اور شاعر کو نہ صرف اپنی شاعری کے توسط سے خراج تحسین ادا کیا ہے بلکہ اپنی دلکش نثر سے اقبال کے فلسفے اور ان کے پیغام کو بھی عوام تک پہنچایا ہے۔ علامہ نیاز فتح پوری اپنی تحریروں میں آزاد صاحب کو نہ صرف ایک بلند فکر شاعر تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان کی نثر کی بھی دل کھول کر داد دیتے ہیں اور ان کی نثری کاوشوں اور تحقیق کو خاص طور پر اقبالیات میں ایک اضافہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق:۔

> ''جگن ناتھ آزاد نہ صرف شاعر بلکہ نقاد کی حیثیت سے بھی اپنا خاص مقام رکھتے ہیں۔ اقبال ابتدا ہی سے ان کا محبوب شاعر رہا ہے۔ آزاد والہانہ حد تک اقبال کے مداح ہیں۔ لیکن مضامین میں ان کی شیفتگی نے کسی جگہ غیر منطقی شیفتگی کی صورت اختیار نہیں کی۔ اقبال پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آزاد نے جو کچھ ان مضامین میں لکھ دیا ہے وہ اقبالیات میں ایک اضافہ ہے۔'' (۲)

(۱) ڈاکٹر اسد اللہ وانی: اقبالیات آزاد ص ۱۹۹ء

(۲) کتاب نما خصوصی شمارہ: پروفیسر جگن ناتھ آزاد: شخصیت اور ادبی خدمات، ص ۹۱

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

آزاد، علامہ اقبال کے پرستاروں میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان سے بے پناہ محبت اور دلچسپی کا ثبوت اُن کی ''اقبال اور اس کا عہد''، ''اقبال اور مغربی مفکرین''، ''اقبال کی کہانی'' (سوانح حیات۔ بچوں کے لئے) ''فکر اقبال کے بعض اہم پہلو، اقبال: زندگی شخصیت اور شاعری، محمد اقبال: ایک ادبی سوانح، بچوں کا اقبال اور اقبال اور کشمیر وغیرہ جیسی فکر انگیز تصانیف فراہم کرتی ہیں۔ آزاد نے اقبال کی شخصیت اور شاعری کو ایک نئے زاویئے سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اقبال کے کلام اور ان کی تحریروں کا انہوں نے نہ صرف گہرا مطالعہ کیا ہے بلکہ اقبالیات سے متعلق جس قدر مواد دستیاب ہو سکا ہے، تحقیق کر کے اسے منظر عام پر لائے ہیں۔ چنانچہ اپنی ایک کتاب میں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ''اقبال کے بارے میں جتنی کتابیں اس برصغیر میں لکھی گئی ہیں، اتنی باہر انہیں لکھی گئیں۔ مختلف نقادانِ علم وفن نے اقبال کو اپنے اپنے انداز سے خراج تحسین بھی ادا کیا ہے اور ان کی شاعری کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ میں ان نقادوں کی تصانیف کے بارے میں یہاں کچھ زیادہ تفصیل سے کہنا مناسب خیال نہیں کرتا۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اور علامہ اقبال کی شاعری سے مجھے شغف ہوا ہے یہ کتابیں جن کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے، میرے پیش نظر رہی ہیں اور میں نے ان سے بقدر استطاعت فیض اٹھایا ہے۔''(۱)

''اقبال اور اس کا عہد'' جگن ناتھ آزاد کی ایک قابل قدر تصنیف ہے۔ یہ ان کے تین لیکچروں پر محیط ہے جو انہوں نے جموں وکشمیر یونیورسٹی کی دعوت پر ضبطِ تحریر میں لائے ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد اب تک اس کتاب کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ جن میں ''الادب'' لاہور (پاکستان) کا ۱۹۸۹ء کا ایڈیشن بھی شامل ہے۔ اس طرح سے

پروفیسر جگن ناتھ آزاد۔ اقبال اور اس کا عہد۔ ص ۱۱

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اس کتاب کی اہمیت اورافادیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔اس کتاب میں شامل مقالات میں آزاد نے علامہ اقبال پر لگائے گئے فرقہ پرستی کے الزام کی پرزور تردید کی ہے اور انہیں وطن دوست شاعر قرار دیا ہے۔آزاد کے مطابق اقبال کے ہاں تصوف کے بنیادی نکات اور کیفیات موجود ہیں۔انہوں نے اقبال کے اسلامی تصوف کی روشنی میں بھی اپنے نظریات کچھ اس طرح پیش کئے ہیں کہ وہ اقبال پر لگائے گئے فرقہ پرستی اور تنگ نظری کے الزامات کو رد کرنے کے لئے کافی ہیں۔کتاب میں آزاد نے جس دلنشیں پیرائے میں اقبال اور اس کا عہد متعین کیا ہے۔وہ ان کی ایک مستحسن کوشش ہے۔

''اقبال اور مغربی مفکرین'' آزاد صاحب کا ایک اور گراں قدر کارنامہ ہے۔اقبال کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں بقول آزاد اسلامی تفکر کے ساتھ ساتھ قدیم ہندوستانی فلسفہ، مغربی فلسفہ اور مارکس اور اینگلز کا جدلیاتی مادی نظام فکر بھی شامل ہے۔پروفیسر آزاد اقبال کو ایک وسیع النظر فلسفی شاعر قرار دیتے ہیں۔جنہوں نے اپنے قیام یورپ کے دوران مختلف مغربی مفکرین و مصنفین جن میں بیکن، لاک، کانٹ، شوپن ہار، کارل مارکس، نٹشے، برگسان، دانتے، ملٹن اور گیٹے وغیرہ شامل ہیں کے نظریات کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا۔ پروفیسر آزاد نے نہایت ہی ایمانداری سے اقبال کے فکر و فن کا موازنہ اکابرین کے ساتھ کر کے نتائج اخذ کئے ہیں۔تصنیف میں زبان و بیان کا جو پیرایہ اختیار کیا گیا ہے۔وہ بھی قابل داد ہے۔

''اقبال اور کشمیر'' آزاد صاحب کی ایک عمدہ تصنیف ہے۔اس میں انہوں نے کشمیریات کے تعلق سے اقبال کے فکر و فن کا احاطہ کیا ہے۔بقول ڈاکٹر محمد اسد اللہ وانی اس کتاب کی بدولت اقبال اور کشمیر کے تعلق سے ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔اقبال کو کشمیر سے والہانہ لگاؤ تھا۔یہ ان کے آباواجداد کی سرزمین ہے۔انہیں یہاں کا کلچر تہذیب اور تمدن عزیز ہے۔وہ یہاں کے عوام کو جہالت کے شکنجے سے آزاد کرنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ انہیں بیدار کرنا چاہتے ہیں۔جس کا عکس ان کی شاعری اور نثری افکار میں جگہ جگہ ملتا

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہے۔آزاد صاحب نے اس گراں قدر تصنیف میں اقبال اور اہل کشمیر کے فکری اور جذباتی لگاؤ کا ذکر خصوصی طور پر کیا ہے۔ اقبال اور کشمیر، کشمیری میگزین، مشاہیر کشمیر، اقبال کے خطوط محمد الدین فوق کے نام، انجمن کشمیری مسلمانان لاہور، اقبال اور سفر کشمیر، نطشے اور غنی کاشمیری وغیرہ جیسے موضوعات پر آزاد نے بڑے دلنشیں پیرائے میں اظہار رائے کیا اور اس پر ان کی نثر سونے پر سہاگہ ہے۔ڈاکٹر برج پریمی اپنی کتاب میں آزاد صاحب کا پہلا عشق اقبال قرار دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ آزاد نے ریاست میں اپنے قیام کے دوران بہت ہی قابل قدر تصانیف لکھیں اور اقبال کے ان گوشوں کی بازیافت کی جو تاریکی میں پڑے ہوئے تھے۔موصوف ایک جگہ رقمطراز ہیں:۔

> ''پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا پہلا عشق اقبال ہے۔ریاست میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے اقبال اور کشمیر، اقبال اور مغربی مفکرین، نشان منزل جیسی کتابیں لکھیں۔آزاد صاحب ایک صاحب نظر محقق اور ناقد ہیں انہوں نے اقبال کے کئی ایسے پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی ہے، جو گوشۂ تاریکی میں پڑے ہوئے تھے'' (۱)

''ہندوستان میں اقبالیات۔آزادی کے بعد'' بھی پروفیسر آزاد کی ایک فکر انگیز کتاب ہے۔اس کتاب میں ہندوستان میں ''اقبالیات۔آزادی کے بعد، اقبال۔مغربی مصنفین کی نظر میں، انسان۔اقبال کی نظر میں، اور اقبال اور جوش، جیسے موضوعات پر بحث ملتی ہے۔

اقبالیات سے متعلق آزاد صاحب کی دوسری تصانیف بھی گرانقدر اہمیت کی حامل ہیں۔ ان میں بھی اقبال کے فکر وفن کے مختلف گوشے سامنے آتے ہیں۔ ان تصانیف میں "Iqbal-mind & Art" بچوں کا اقبال، اقبال، زندگی شخصیت اور شاعری، وغیرہ جیسی کتابیں شامل ہیں۔

(۱) ڈاکٹر برج پریمی ''جلوۂ صد رنگ''، ص ۲۲۴

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے کئی سفرنامے بھی قلمبند کئے ہیں۔ان سفرناموں میں ان کی بہترین نثر نگاری کی جھلکیاں سامنے آتی ہیں۔آزاد صاحب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ حقیقت بیانی سے کام لیتے ہیں۔وہ ہر ایک چیز کا بغور مطالعہ ومشاہدہ کرتے ہیں اور پھر اپنے قلم کی نوک سے اس کو زبان دیتے ہیں۔جس سے ان کی تحریروں میں وزن اور وقار پیدا ہوتا ہے۔انہوں نے اپنے سفرناموں کو بے جا طوالت سے خشک اور سپاٹ نہیں ہونے دیا بلکہ ان کو اپنی فکر ونظر کی بالیدگی سے دلچسپی اور جاذبیت عطا کی ہے۔پروفیسر آزاد نہ صرف اپنے سفر کا ذکر سرسری طور پر کرتے ہیں بلکہ وہ اس ملک کے کلچر، تہذیب، تمدن اور ادب کو بھی ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔جس ملک کی وہ سیاحت کرتے ہیں۔اس لحاظ سے نہ صرف وہ ایک ادیب کا فرض انجام دیتے ہیں بلکہ ایک مورخ کا فرض بھی بخوبی نبھاتے ہیں۔ان کی اوّلین نثری تصنیف ''جنوبی ہند میں دو ہفتے'' ایک سفرنامہ ہے جو ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی۔ اس میں ڈاکٹر عبدالحق کے سفرحج کے تاثرات بیان کرتے ہوئے ہندوستانی اور پاکستانی روپے کا موازنہ بھی کرتے ہیں اور مہاراشٹر سے تعلق رکھنے والے نارائن راؤ کی اردو دوستی سے بھی محظوظ ہوتے ہیں جن کی گفتگو نے آزاد صاحب کا یہ خیال غلط ثابت کر دیا کہ مراٹھا لوگ اردو زبان وادب سے محبت نہیں کرتے ہیں۔آزاد صاحب سچے معنوں میں اردو کے بہی خواہ ہیں تقسیم ہند اور پولیس ایکشن کے بعد حیدرآباد میں سیاسی اور معاشی سطح پر بہت سارے مسائل ابھرے۔اردو زبان بھی ان کی زد میں آ گئی لیکن کسی نے اردو کی حالت زار پر اُف تک نہیں کی۔آزاد صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے سفر کے دوران حیدرآباد میں اردو زبان وادب کا حال دریافت کیا اور اس کو تسلی بخش پا کر اطمینان کا سانس لیا۔

''کولمبس کے دیس میں'' پروفیسر آزاد کا دوسرا سفرنامہ ان کی ۱۹۸۱ء کی امریکہ اور کنیڈا کی یادوں پر مشتمل ہے اور بڑی دلچسپی کا حامل ہے۔اگرچہ پروفیسر آزاد کا امریکہ کی سیاحت کا یہ پہلا موقعہ تھا لیکن امریکہ میں ان کے قدردانوں کی وجہ سے انہیں کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔آزاد صاحب کے اس سفرنامے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امریکہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

کے قدرتی مناظر سے بھی لطف اندوز ہوئے اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی سے بھی، امریکہ اور کنیڈا میں اردو زبان وادب کی مقبولیت دیکھ کر پروفیسر آزاد حد درجہ متاثر ہوئے۔ خاص طور پر علامہ اقبال کے فکر وفن پر جو کام وہاں ہو رہا ہے، آزاد صاحب کے سفرنامے سے اس کے بارے میں بھی بھرپور جانکاری ملتی ہے۔ علم وادب کے میدان میں جو یہاں کے لوگوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، ان کا بھی پروفیسر آزاد اپنے سفرنامے میں بھرپور خاکہ پیش کرتے ہیں۔

پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے ''پشکن کے دیس میں'' کے نام سے بھی ایک اور عمدہ اور قابل قدر سفرنامہ لکھا ہے۔ ۱۰۴ صفحات پر مشتمل اس سفرنامے میں انہوں نے اپنے تین ہفتے کے قیام روس کی مصروفیات قلم بند کی ہیں۔ انور سدید آزاد صاحب کے اس سفرنامے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ''جگن ناتھ آزاد ایک ایسے زائر نظر آتے ہیں، جو ماسکو کے بجائے کتابوں کی یاترا کر رہے ہیں اور کتابیں لکھنے والوں سے ملاقاتیں ہی ان کی زندگی کا بالعموم اور اس سفرنامے کا حاصل ہے۔''(۱)

پروفیسر آزاد نے روس کے معاشی اور معاشرتی حالات کا جائزہ اس سفرنامے میں بڑے دلنشیں انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ روس کے علم دوست حضرات سے بھی ہم کلام ہوئے اور ماسکو یونیورسٹی میں اپنا مقالہ بھی پیش کیا۔ لینن میوزیم میں بھی چند لمحے گزارے اور ٹالسٹائی میوزیم بھی گئے جہاں انہوں نے اس عظیم ادیب کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اس سفرنامے میں پروفیسر آزاد اکثر جگہوں پر مناظر قدرت کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ چونکہ انہیں کشمیر سے قلبی لگاؤ ہے، اس لئے انہیں روس میں جگہ جگہ کشمیر کے سرسبز اور شاداب مناظر دیکھنے میں آئے۔ اس سفرنامے میں آزاد صاحب کا خلوص ہر جگہ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ وہ سادہ زبان اور دلکش اسلوب میں اپنی بات کہنے میں کامیاب ہوئے ہیں:۔

(۱) ڈاکٹر خلیق انجم : جگن ناتھ آزاد۔ حیات اور ادبی کارنامے۔ ص ۲۰۴

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

''حیات محروم'' میں آزاد صاحب نے اپنے والد اور اردو کے صف اول کے شاعر (مرحوم) تلوک چند محروم کی شخصیت اور فن کا احاطہ کیا ہے۔ اس میں انہوں نے محروم صاحب کے دور کے تاریخی اور سماجی پس منظر کا نقشہ بھی بڑے دلنشیں انداز میں کھینچا ہے اور اکبر، سر عبدالقادر اور اقبال کے ساتھ محروم صاحب کے مراسم کا بھی ذکر کیا ہے۔ حیات محروم سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اقبال محروم صاحب کی شاعری کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انہیں ''اردو شاعری کا کیٹس'' (۱) کہتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ زیر بحث کتاب میں آزاد صاحب تقسیم ہند کے المناک واقعے کا بھی ذکر کرتے ہیں اور ان محفلوں کا بھی جوان کے والد اپنے آبائی مکان عیسیٰ خیل (مغربی پاکستان) میں آراستہ کیا کرتے تھے۔ والد کے احباب میں سے وہ جوش، حفیظ، عدم، احسان دانش، سالک، ہری چند اختر، امتیاز علی تاج، برج موہن کیفی، صوفی تبسم، تاجور نجیب آبادی، صلاح الدین احمد، مولانا ظفر علی خان، عابد علی عابد وغیرہ جیسے مشاہیر کا جا بجا ذکر کرتے ہیں۔ یہ کتاب محروم صاحب پر ایک اینسکلو پیڈیا کا درجہ رکھتی ہے اور ان کے بچپن سے وفات تک پوری پوری تفصیل فراہم کرتی ہے۔ اس کتاب میں آزاد صاحب کا مخصوص اسلوب بھی جگہ جگہ عیاں ہے۔

''آنکھیں ترستیاں ہیں'' اور ''نشان منزل'' پروفیسر جگن ناتھ آزاد کی متفرق موضوعات پر دو تصانیف ہیں۔ جن کی انفرادیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

پروفیسر آزاد کی دیباچہ نگاری بھی ان کی غیر معمولی ذہانت کی نشاندہی کرتی ہے۔ انہوں نے بیسیوں قلمکاروں کے شعری اور نثری مجموعوں پر نہایت ہی فکر انگیز دیباچے اور مقدمات رقم کئے ہیں۔ بعض تصانیف پر انہوں نے تقریظ اور آراء بھی پیش کی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان دیباچوں میں بھی انہوں نے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا ہے آزاد صاحب کے حواشی بھی غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں یہ اُن کی محنت، ذہانت اور خداداد صلاحیت کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اردو زبان و ادب کے حوالے سے بعض ایسی چیزوں

(۱) ڈاکٹر خلیق انجم: جگن ناتھ آزاد۔ حیات اور ادبی کارنامے۔ ص ۲۰۴

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

کوتلاش کیا ہے جن پر زمانے کی ناقدری کی دھول جمی ہوئی تھی۔

پروفیسر آزاد کی تحریروں میں داخلی وحدت ہے۔ وہ تعصب سے کام نہیں لیتے اور نہ ہی فیصلہ دیتے وقت دور کی کوڑی لانے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اپنے انوکھے انداز میں بات کہنے کا گر جانتے ہیں۔ زبان و بیان کے معاملے میں بھی وہ بڑے محتاط ہیں۔

مختصر یہ کہ آزاد صاحب نے شاعری کے ساتھ ساتھ نثر نگاری کے شعبے میں بھی جو خدمات انجام دی ہیں وہ کبھی بھی فراموش نہیں کی جاسکتیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

برج پریمی اور کشمیر

۱۹۹۰ء کے اوائل میں کشمیر میں ظلم وتشدد، بربریت، قتل وغارت اور دہشت ودرندگی کا بھوت اچانک رقص کرنے لگا تو اس کے آسیب زدہ سائے دُور دُور تک پھیلنے لگے اور سارے کشمیر کی بنیادیں ہل اُٹھیں۔ یہ کشمیر کی تاریخ میں ایک نافراموش داغ ہے اور تاریخ کو جھٹلانا تاریخ کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ جو کوئی بھی شائستہ قوم برداشت نہیں کرسکتی۔ اسی سنہ کے ماہ اپریل کی ایک طوفانی رات کا خوفناک منظر آج بھی میرے من کے کواڑ پر دستک دے رہی ہے۔ جب چپکے سے سہمے ہوئے رات کے گہرے سناٹے میں میرے والد نے اپنے خاندان کے ہمراہ اُس کشمیر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا جو ان کے خوابوں، آرزوؤں اور ان کی تمناؤں کا مسکن تھا اور جس کے بارے میں انہوں نے ایک بار لکھا تھا:۔

''جہاں میں رہتا ہوں اُسے صدیوں سے دھرتی کا سورگ
کہا جاتا ہے۔ اپسراؤں کا یہ دیس تہذیب کی صبح سے اپنے ملکوتی
حسن، اپنے رنگ اور اپنے نور سے سورگ کے انسانی تصور کا پیکر

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہے۔ یہ وہ خطۂ ارضی ہے جہاں کے صد رنگ جلوؤں نے صدیوں
سے سیلانیوں کو برمایا ہے۔ یہاں گیان وعرفان کے کتنے سوتے
پھوٹے ہیں، آگہی وبصرت کے کتنے چراغ روشن ہوئے ہیں
اور عقل وعشق کے کتنے مرحلے انجام کو پہنچے ہیں۔ تاریخ کے
اوراق پر یہ سب داستانیں منقش ہیں۔''

نہ صرف یہی اقتباس بلکہ کشمیر کے بارے میں اُن کی بے شمار تحریریں اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ اُنہیں کشمیر سے والہانہ عقیدت تھی ۔ وہ کبھی اس کے حسن اور خوبصورتی کی بات کرتے ہیں اور کبھی قدیم تواریخی مقامات کا جائیزہ لیتے ہیں۔ کبھی یہاں کی رواداری اخوت اور بھائی چارے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور کبھی یہاں کے لوگوں کی ذہانت کی دِل کھول کر داد دیتے ہیں۔ اُن کا دل ایسے قلم کاروں کی تحریروں سے اُوب گیا تھا جنہوں نے کشمیر کی تصویر کو مسخ کر کے پیش کیا ہے۔ اُن کے مطابق ایسے بعض فنکاروں نے صرف کشمیر کے حسن اور اس کی خوبصورتی کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ یہاں کے لوگوں کے افلاس ناداری اور غربت کو کسی نے بھی محسوس نہیں کیا۔ والد اُن پردوں کو سرکانا چاہتے تھے جن میں کشمیر کے حسن اس کی رعنائی، اس کی مٹی کی خوشبو اور اس کے عرفان کے لازوال گوشے چھپے ہوئے ہیں۔ ان کا مشن کشمیر اور صرف کشمیر کی تلاش تھا دیکھئے اپنے مادر وطن کشمیر کے حسن میں کیسے رنگ آمیزی کرتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

''جہاں میں رہتا ہوں وہ وتستا کا شہر ہے ۔ جو پاروتی
کا دوسرا پیکر ہے جسے شیو نے پاتال کی گہرائیوں سے باہر
کھنگھال لیا تھا کہ پاپیوں کے پاپ دُھل جائیں۔ یہ کشپ
ریشی کی تپسیا ہے۔ یہ للہ دید اور شیخ العالم کا عرفان ہے، یہاں
حبہ خاتون، رسول میر، پرمانند اور مہجور کے نغمے گونجے ہیں۔ جن
میں چنار کے شیتل سایوں کی سانسیں مہکتی ہیں اور حسن وعشق کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

تمام صباحتیں اور تمام رعنائیاں رسمساتی ہیں۔ یہ ان عطر بیز ہواؤں کا مسکن ہے جو ولر، مانسبل اور کونسر ناگ کے پانیوں سے سرسراتی ہوئی اُٹھتی ہیں۔ یہ گلمرگ، توسہ میدان اور موہند مرگ کی خواب آگئیں خوشبوؤں کی سرزمین ہے۔ یہاں کی فضاؤں میں امرناتھ کا تقدس ہے۔ یہ گوپادری، ہاری پربت اور کالی شری کا مسکن ہے۔ یہ ناگ ارجن، بھاسکر آچاریہ اور ابھنو گپت کی آماجگاہ ہے۔ یہ برنیر، رچرڈ ٹمپل، رابرٹ تھارپ، لارنس، سٹائن، بسکو اور ایسے ہی کتنے عاشقوں کا محبوب ہے۔ یہ جواہر لال، اقبال، چکبست اور سعادت حسن منٹو کا عشق ہے۔ یہ فنکاروں شاعروں، عابدوں، پرہیز گاروں اور حسین دل و دماغ رکھنے والوں کا وطن ہے۔ یہ جموں اور لداخ کا دِل ہے اور بھارت ماتا کے ماتھے کی بندیا۔

والد اپنے مادر وطن کشمیر سے بے پناہ عشق رکھتے تھے۔ انہیں کشمیر کے ذرے ذرے سے پیار تھا۔ یہاں کے صحت مند اقدار انہیں بے حد عزیز تھے۔ اس لئے ان کی اکثر تحریروں میں کشمیر کی مٹی کی بُو باس محسوس کی جاسکتی ہے۔ کشمیر کے شعر و ادب کا منظر نامہ ہو یا کسی نادر نسخے کی دریافت، ان کی دور بین آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں رہتا بلکہ وہ تلاش و جستجو سے نہ جانے کتنی تہیں کھول دیتے تھے اور پھر نتیجہ اخذ کرتے تھے اور یہی چیز ان کو اپنے معاصرین میں ایک الگ اور منفرد مقام دلاتی ہے۔ آثار قدیمہ شہر لالہ وگل، کشمیر، غیر ملکی سیاحوں کی نظر میں، کشمیر کا قدیم لباس اور رہن سہن اور کشمیر لوک گیتوں کا سماجی پس منظر جیسے معلوماتی مقالات میں ان کا یہی جذبہ کارفرما ہے۔ اس طرح سے کشمیر سے اُن کی محبت اور عقیدت کا جذبہ اُن کی تحریروں میں جگہ جگہ عیاں ہے۔ درج ذیل اقتباس سے آپ بھی ان کا یہ جذبہ بخوبی محسوس کریں گے، اپنے مخصوص انداز میں لکھتے ہیں:۔

"میں صدیوں سے اس سرزمین میں رہتا چلا آیا ہوں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

میں اس کا انگ انگ اور روم روم ہوں۔ میری رگ رگ میں یہی عطر بیز ہوائیں، یہی تقدس وطہارت، قدرت کی مہانتا کے یہی رنگ، کیسر کی کیاریوں کا یہی سہاگ علم وفن اور عقل ودِل کی یہی خوشبو ہے۔ مجھے ازل سے ان پُر اسرار سناٹوں کو سمجھنے کی تلاش ہے۔ جو یہاں کے ہر پربت ہر جنگل، ہر جھیل، ہر پھول اور نیلے آکاش ہر آہستہ خرامی سے اڑتے ہوئے ہر بادل میں محسوس ہوتے ہیں۔ میں نے اپنے اس مجموعے میں شامل اپنی الٹی سیدھی تحریروں میں ان حشر سامانیوں کو تھامنے کی کوشش کی ہے۔ ان حشر سامان سناٹوں کے اس قدر رنگ ہیں کہ میرے الفاظ میں یار نہیں کہ ان سبھی رنگوں کو سمیٹ سکوں۔ یہ ایک چھلاوے کی طرح اڑ کر فضاؤں میں تحلیل ہو جاتے ہیں اور میں حیران اور مبہوت خلاؤں کی پہنائیوں میں صرف تکتا رہ جاتا ہوں۔

یہ رنگ میرے وجود کا حصہ ہیں!

یہ میں ہوں۔ میرا ریزہ ریزہ وجود!

اگر آپ کو ان رنگوں میں کہیں کسی جگہ میرا لرزتا ہوا وجود ملے تو میں سمجھوں گا کہ میں اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب ہوا ہوں۔''

والد کی تحریریں کشمیر کے تہذیب کلچر ادب اور ثقافت کے مختلف گوشوں کی نقاب کشائی کرتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ کشمیر کے تشخص کو نمایاں کرتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہر سانس میں کشمیر بسا ہوا تھا۔

والد کی تحریروں میں شاعرانہ پیکر تراشیاں، افسانوی حُسن ونزاکت، سادہ اور سلیس زبان ملتی ہے۔ ان کے فن پاروں کی یہ خصوصیات قاری کو گرانباری اور ثقالت کا احساس نہیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہونے دیتے۔

اُن کی تصنیف ''جلوۂ صدرنگ'' سے یہ نثر پارہ پیش خدمت ہے۔ جس میں فکر کے نئے گوشے بھی سامنے آتے ہیں اور تواریخی حقائق بھی، مادر کشمیر کا لمس بھی اور حسن کاری بھی لکھتے ہیں:۔

> ''جہاں میں رہتا ہوں وہاں کی صبحوں اور شاموں پر بنارس کی صبحیں اور اودھ کی شامیں قربان ہیں۔ یہاں کی ہر سحر یہاں کی سحر ہے اور یہاں کی ہر شام یہاں کی شام ہے۔ ان صبحوں اور شاموں کی ہر شبیہ اور ہر رنگ بے مثال ہے۔ اس کی ہمسری کا یارا کسی شبیہ، کسی اور رنگ میں نہیں ۔ یہ سرزمین شاعر کا تخیل ہے اور مغنی کا ساز۔ یہ حسن پرستوں کی عبادت گاہ ہے اور عقل وجذبے کی آماجگاہ۔ یہاں قدرت اپنی تمام حشر سامانی بے نقاب کرتی ہے اور انسانی عقل جودت ذہن کے جلوے بکھیرتی ہے۔ ستی سر کے نیلے پانیوں کے جلال سے لے کر آج تک اس سورگ بھومی کے پیوٹوں پر کتنے خواب بیدار ہوئے یہاں بودھوں نے ازلی حسن کی تلاش کی ہندو شو کو کھوجتے رہے مسلمان توحید کے یقین سے دِلوں کو روشن کرتے رہے اور عیسائی انجیل کی مقدس آیات سے اپنے باطن کے چراغ جلاتے رہے ..... ہماری میراث یہ سارے نقوش ہیں۔''

والد سچے معنوں میں کشمیر کے عاشق تھے وہ حقیقی معنوں میں اس قوم کے بہی خواہ تھے۔ اُنہوں نے اپنی تحریروں سے وہ نقش پا چھوڑے ہیں۔ جو ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتے رہیں گے۔ بقول پروفیسر جگن ناتھ آزاد افسوس ہے کہ جو شخص کشمیر اور کشمیریات سے گہرا لگاؤ رکھتا تھا۔ وہی شخص ایک ستم زدہ مہاجر کی طرح کشمیر سے نکلا اور جموں میں صرف ایک ہفتہ قیام

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

کرنے کے بعد نامساعد حالات کا شکار ہو کر اس دُنیا سے کوچ کر گیا۔

لیکن اُن یہ آواز پڑھنے والوں کے دلوں میں اب بھی گونج رہی ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

''کشمیر میری جنم بھومی ہے، میری ماں ہے
اس کے ہر ذرہ خاک سے مجھے عشق ہے
اس کے نیلے امبر کے نیچے
اس کے سرسراتے ہوئے آنچل میں
کتنے رنگ ہیں، کتنی خوشبو ہے، کتنی روشنی ہے
یہ من کو موہ لینے والا حسن حیرت زا ہے
میں نے اس رنگ اس نور اور اس خوشبو کے لمس کے مٹھی بھر
احساس کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے
لیکن اس کی حدت کے آگے میرے لفظ پگھل گئے ہیں!!''

کشمیری زبان کے ممتاز شاعر جناب ایوب بیتاب، والد کے تصویر کشمیر کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ وہ اُن کی موت کا ذمہ دار کشمیر کے نامساعد حالات کو ٹھہراتے ہیں۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

''پریمی کو کشمیر کے ذرّے ذرّے سے عشق تھا۔ جو اُن کی نگارشات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ نامساعد حالات کی وجہ سے اُن کو کشمیر چھوڑنا پڑا۔ جو اُس کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ تھا۔ وطن کی جدائی اُس کے دِل ناتواں سے برداشت نہ ہو سکی اور وہ اندر ہی اندر سے بکھر گیا۔ مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ اُس کی بے وقت موت کی وجہ فراقِ کشمیر تھی۔''

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

حکیم منظور

عصر حاضر کا ایک نمائندہ غزل گو شاعر

حکیم منظور عصر حاضر کے شعراء میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنی شاعری کا آغاز اُس زمانے میں کیا جب کشمیر کے شعری اُفق پر بعض ایسے نام جگمگا رہے تھے۔ جنہوں نے اپنے جذبات کی فراوانی اور فکر کی تازگی سے اُردو شاعری کے گلستان میں نئے رنگوں سے مزین کیا تھا۔ میر غلام رسول نازکی میر کارواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس کارواں کے ساتھ شامل ہونے والوں میں شہ زور کاشمیری، شوریدہ کاشمیری، منوہر لعل دِل، تنہا انصاری، رسا جاودانی، میکش کاشمیری، قیصر قلندر، سیفی سوپوری، حامدی کاشمیری، اکبر جے پوری، سلطان الحق شہیدی، عرش صہبائی وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ حکیم منظور اگرچہ ان شعرا کے مقابلے میں نسبتاً دیر سے آئے لیکن اپنی بے پناہ صلاحیت محنت، لگن سے انفرادی مقام بنانے میں بہت جلد کامیاب ہوئے۔ حکیم منظور کی آواز دور سے پہچانی جاتی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہے اور اس کا تاثر بہت دیر تک دل و دماغ پر حاوی رہتا ہے۔

حکیم منظور ۱۷ر جنوری ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے لکھنے کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا۔ لیکن نثر کی اس صنف سے ذہنی مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے اُنہیں یہ میدان جلد ہی ترک کرنا پڑا۔ وہ شاعری کی طرف مائل ہوئے اور اپنی خداداد صلاحیت سے شروع سے ہی اچھے شعر موزوں کرنے لگے۔ غزل، نظم، رباعی، قطعات اور دوسری اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ برصغیر ہندو پاک کے نمائندہ رسائل واخبارات میں اُن کا کلام شائع ہونے لگا۔ حکیم منظور کو شعر وادب سے بچپن سے ہی گہری مناسبت تھی۔ وہ ریاست کی کئی تہذیبی اور علمی وادبی انجمنوں سے وابستہ رہے۔ جن میں انجمن ترقی اُردو ہند (جموں شاخ) بزم فروغ اُردو (جموں) انجمن ترقی اردو (کشمیر شاخ کی مجلس عالمہ کے رکن) وغیرہ ذکر کے قابل ہیں۔ وہ ۱۹۵۷ء میں کشمیر کی ادبی تنظیم انجمن اربابِ ذوق سے بھی وابستہ رہے اس انجمن کے سرگرم اراکین میں پشکر ناتھ، برج پریمی، مخمور بدخشی، تیج بہادر بھان، وجیہہ احمد اندرابی، محی الدین شال وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر برج پریمی اپنی کتاب میں اس انجمن کی کارکردگی کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ وہ اس دور کا احاطہ کرتے ہوئے حکیم منظور کی ابتدائی ادبی زندگی کے بارے میں روشنی ڈالتے ہیں:۔

> ''کشمیر کی واحد ادبی تنظیم کلچرل کانفرنس کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ ہم لوگ ترقی پسند تحریک سے متاثر تھے۔ لہٰذا ہم نے اپنے جذبات کے اظہار کے لئے حلقہ علم وادب نام کی ایک اور تنظیم بنائی تھی۔ ریاست کی سیاسی اتھل پتھل نے اس تنظیم کے اراکین میں نظریاتی اختلافات پیدا کر دیئے تھے۔ ہم نے بھی حلقے سے الگ ہو کر انجمن اربابِ ذوق کے نام سے ایک علیحدہ انجمن منظم کر لی تھی۔ اس کے اراکین میں جانے پہچانے ادیب تھے۔ حکیم منظور، مخمور بدخشی، تیج بہادر بھان، پشکر ناتھ، وجیہہ احمد، محی الدین

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

شال، راقم الحروف اور دوسرے بہت ادیب اس انجمن کے ساتھ
وابستہ تھے۔"(۱)

اس اقتباس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حکیم منظور اپنے ابتدائی دور میں نہایت ہی متحرک رہے ہیں۔ وہ ابتداء میں ترقی پسند تھے، بعد میں وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ ان کے نظریات میں بھی تبدیلی آگئی اور وہ جدیدیت کی طرف مائل ہوئے۔ اسی لئے ان کی ابتدائی شاعری میں روایت کے ساتھ ساتھ جدیدیت کی پاسداری کا احساس ہوتا ہے۔ اس طرح کے احساس نے ان کی شاعری میں انفرادی لہجہ پیدا کیا۔ جو بعد میں ان کے ساتھ آخری دم تک قائم رہا۔ حکیم منظور غالب کے ساتھ ساتھ اقبال سے بھی کافی متاثر رہے۔ اسی لئے ان کی شاعری میں ان دونوں شعراء کے اثرات نمایاں طور پر ملتے ہیں۔ غالب اور اقبال کے ساتھ ساتھ انہوں نے جگر، فراق، فیض کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حکیم منظور کی غزل ترقی پسند سے شروع ہو کر ایسی منزل پر پہنچ گئی جو نئی غزل سے عبارت ہے۔ اُنہوں نے ہر قدم پر اپنا ایک انفرادی لہجہ برقرار رکھا۔ اپنے خیالات کی فراوانی اور جذبات کی آسودگی سے اُنہوں نے اپنا ایک مخصوص مقام متعین کیا اور شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کرنے کے باوجود غزل کا دامن تھام لیا۔ غزل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ اُردو شاعری کی آبرو ہے۔ اس کا آرٹ بقول ڈاکٹر یوسف حسین ملکوتی آرٹ نہیں کہ جہاں تھا وہیں رہے۔ زندگی کی طرح وہ حرکت اور نمو میں رچا ہوا ہے۔ اسی واسطے اس کے معنی آفرینیوں کی کوئی حد نہیں۔ علم وحکمت کی ترقی کے ساتھ ساتھ جوں جوں ذہن کی جلا بڑھے گی اس کا اثر ضرور ہے کہ ہمارے احساس وتخیل پر پڑے۔ جب احساس وتخیل متاثر ہوں گے تو غزل کے محرک بھی بدلیں گے اور اس کے رموز اور علامتوں کی توجیہہ بھی بدلے گی اور اس طرح نئی نئی خیالی اور جذباتی حقیقتوں کی بازآفرینی کا سلسلہ جاری رہے گا۔ وہ آگے لکھتے ہیں کہ گذشتہ دوسو سال کا تجربہ ہمیں بتاتا

(۱) مباحث: ڈاکٹر برج پریمی۔ ص ۱۳۹

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہے کہ غزل کے بظاہر بندھے ٹکے علامتی لفظوں اور اشاروں میں معانی کی کس قدر وسعتیں پنہاں ہیں۔ان کی دائمی جذباتی صداقتیں ہر زمانے میں معنی اور لفظ کے نئے نئے پہلو ہمارے سامنے پیش کرتے رہیں گی (۱) حکیم منظور کی غزل کو اگر پرکھا جائے تو ان کی غزل میں معنی آفرینی بھی ملتی ہے اور فکر ونظر کی بالیدگی بھی نئے رموز وعلایم کا استعمال بھی اور جذبات کی صداقت بھی۔ یہی چیز اُنہیں نئی غزل کے نمائندہ شاعروں میں ایک انفرادی مقام دلاتی ہے۔

حکیم منظور کے بہت سے شعری مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔جن میں ناتمام (۱۹۷۷ء) لہو لمس چنار ۱۹۸۲ء برف راتوں کی آگ (۱۹۹۰ء) خوشبو کا نام نیا (۱۹۹۱ء) پھول آنگن کے (۱۹۹۳ء) اور شعر آسمان (۱۹۹۷ء) شائع ہو چکے ہیں۔منظور کا اوّلین شعری مجموعہ ''ناتمام'' ہے۔یوں تو وہ شعر کی ہر صنف میں طبع آزمائی کرتے تھے لیکن اُن کی پسندیدہ صنفِ سخن غزل تھی۔اسی صنف میں وہ اپنے دل کا درد کاغذ پر انڈیلتے رہے اور برق رفتاری سے اپنا مقام متعین کرتے رہے۔ان کی شاعری میں باقی کے اثرات نمایاں طور پر ملتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی کی شاعر میں انہیں فکر ونظر کی بالیدگی لہجے کا عمق اور فنکارانہ چابکدستی نظر آتی ہے۔باقی کے علاوہ وہ شہریار، زبیر رضوی اور راج نرائن راز کی شاعری سے بھی متاثر ہیں۔ان شعرا میں انہیں فنی بالیدگی کا احساس ہوتا ہے۔لیکن بقول مظہر امام ان کا اپنا انفرادی لہجہ بھی نظر آتا ہے۔وہ انہیں ہندوستان گیر سطح پر نمایاں غزل گو شعرا میں شمار کرتے ہیں۔چنانچہ اپنی کتاب میں ایک جگہ رقمطراز ہیں:۔

> ''ریاست کے دوسرے نامور شاعر حکیم منظور ہیں۔ان کی غزلیں جدید فکر اور طرز احساس سے آمیز ہوکر دوآتشہ ہوگئی ہیں۔ اُنہوں نے اس دور کے نہایت معتبر غزل گو باقی کے اثرات ضرور قبول کئے لیکن اپنی انفرادی لے کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ہندوستان گیر سطح پر آج کے نمایاں غزل گویوں میں حکیم منظور کا شمار ہوتا ہے۔'' (۲)

(۱) اُردو غزل از ڈاکٹر یوسف حسین۔ص ۱۴، ۱۵ (۲) تنقید نما از مظہر امام۔ص ۳۹

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

میرا خیال ہے کہ حکیم منظور نہ صرف ہندوستان گیر سطح پر آج کے نمایاں غزل گویوں میں شمار ہوتے ہیں بلکہ جہاں تک کی غزل کا تعلق ہے کسی نقاد نے کیا خوب کہا ہے کہ یہ الفاظ اسلوب اور افکار کا یکسر مختلف منظر نامہ پیش کرتی ہیں۔ ان کی غزل کا مطالعہ کرنے کے دوران یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ یہ جہانِ شعر ان دیکھا، نیا نظر نواز اور مسحور کن ہے۔ اس کی افہام و تفہیم اور تجزیے کے لئے ہمارے مکتبی نقادوں کو اپنے علم کے خانوں سے نئی روشنی کا اکتساب کرنا ہوگا نیز نئے ذہن، لفظ تازہ اور نئی اصطلاحات کی ضرورت ناگزیر معلوم ہو۔ نئی شاعری کی پہچان اور پرکھ کے لئے مغرب سے مستعار الفاظ فرسودہ ہو چکے ہیں، اصطلاحات آبرو کھو چکی ہیں یہ مرحلہ شعر شاعری قاری اور نقاد سبھی کے لئے یکساں آزمائش کا ہے (۱) لہٰذا ان خصوصیت کے پیش نظر حکیم منظور کو صرف ہندوستان گیر سطح پر آج کے نمایاں غزل گویوں میں شمار کرنا مناسب نہیں بلکہ انہیں پوری اُردو دُنیا کے منفرد انداز کے شاعر کے طور پر شمار کرنا لازمی بن جاتا ہے۔

حکیم منظور جذبے کے شاعر ہیں۔ اسی لئے ان کی غزلیں ایک نئی جہت لے کے سامنے آتی ہیں۔ ان کے ہاں نہایت سلجھے ہوئے الفاظ میں بڑی سی بڑی باتوں کا خوبصورت اور انوکھے انداز میں اظہار ہوتا ہے۔ اس فنی نزاکت سے اُن کی شاعری میں اور بھی تازگی اور توانائی پیدا ہوگئی ہے۔ ایک جگہ اس بات کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں:۔

منظور بات اپنی اگر ہے تو پھر کبھی
کوئی سند کوئی حوالہ نہ دیکھنا

اس میں کوئی شک نہیں کہ منظور کی شاعری میں عصر حاضر کے انسان کا درد و کرب کھل کر سامنے آیا ہے۔ اس درد و کرب اور ذہنی افسردگی کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری میں قوم پرستی اور وطن پرستی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ جہاں تک منظور کی غزل کا تعلق ہے۔ اس میں ایک الگ اور انفرادی رنگ جھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ان کے ہاں بعض ایسی غزلیں بھی ملتی

(۱) صبح شفق تلاوت از حکیم منظور سے ایک اقتباس (فلیپ سے)

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہیں جن میں خود کلامی کا جذبہ بھی ہے اور ڈرامائیت بھی۔ ان غزلوں میں روح میں اُتر نے والی طنز کی کاٹ بھی ہے اور جذبے کی شدت بھی۔ عصر حاضر کے معروف شاعر اور حکیم منظور کے دوست اور ہمعصر بانی مرحوم، جنہوں نے منظور کی غزلوں کا انتخاب کیا ہے اور یہ انتخاب بعد میں ناتمام کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوا ہے ایک جگہ رقمطراز ہیں:۔

> ''حکیم منظور کی غزل کا انتخاب کرتے وقت میں اُن کے تخلیقی جوہر سے بے حد متاثر ہوا۔ اُن کے کلام میں فکر اور جذبہ کی ہم آہنگی موثر اظہار کی راہ نکالنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ اُن کا شعری احساس کشادہ نظری اور دروں خبری سے عبارت ہے۔ آج کے دور میں لکھی جانے والی ہم اسلوب غزلوں کے درمیان ان کی غزل تازہ ہوا کی طرح محسوس ہوئی۔ متجسس انداز مشاہدہ الفاظ کو برتنے کا منفرد زاویہ ڈکشن کی تازہ کاری یہ سب کچھ ان کے یہاں ایک نیا اسلوب ترتیب دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نئی غزل کے منظر نامہ میں ان کی غزل کا نقش آسانی سے تلاش کیا جا سکے گا۔ ان کی حرکی شعریات میں غزل کی امکانی قوتوں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔(۱)

حکیم منظور نے اپنی غزلوں میں اس دور کا آشوب پیش کیا ہے۔ وہ ایک الگ اور انفرادی انداز کے شاعر ہیں۔ اُن کی غزلوں میں داخلی کیفیات اور وارداتِ عشق کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ ان کا لہجہ نرم اور شگفتہ ہے۔ منظور کی غزلوں میں بعض عمدہ اور قابل قدر علائم بھی ملتی ہیں۔ تراکیب کی جدت اور تشبیہات واستعارات کے انوکھے پن نے بھی ان کی غزلوں میں نئی روح پھونک دی ہے، مثلاً ان کے درج ذیل اشعار پر غور کیجئے:۔

ہم دھوپ بدن ہیں ہی اوروں کیلئے لیکن — سایوں کے برتنے کا راہوں کو قرینہ دے

تھا سفر بھی میرا اپنا اور راستہ بھی میرا — یعنی سچائی بھی میری تھی فسانہ بھی میرا

(۱) ناتمام: از حکیم منظور (فلیپ سے)

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہاں میں ہی کھردرا وہ سلیقا پسند ہے
میں خود شناس ہوں وہ زمانا پسند ہے

سنگ میں پھول کے اطوار کہاں سے آئیں
بات میری ہے طرف دار کہاں سے آئیں

اس کو لے ڈوبی ہوس اپنی نشانی سے گیا
بن گیا قطرہ سمندر تو روانی سے گیا

نہ دے سکا مجھے وسعت سمندروں کی مگر
سمندروں کا مجھے اضطراب دے کے گیا

ٹوٹ کر بکھر نہ سورج بھی ہے مجھ کو ڈر بہت
جس انداز سے زیادہ آج ہے باہر بہت

پتھر پہ پھول گاڑھ کے کیا کام کر گیا
وہ شخص شہر سنگ کو بے نام کر گیا

'لہو لمس چنار' حکیم منظور کا دوسرا شعری مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ خوبصورت غزلوں سے مزین ہے۔ ان غزلوں میں جہاں ایک طرف فلسفیانہ بُو باس ملتی ہے وہاں دوسری طرف ان میں فکر و نظر کی بالیدگی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ غزلیں اپنے اندر گہرا ادراک رکھتی ہیں۔ لہو لمس چنار کی غزلوں میں عصری آگہی کا عرفان ملتا ہے اور ان میں روایت کی پاسداری کا احساس بھی ہوتا ہے۔ حکیم منظور شاعر حیات ہیں وہ اپنی غزلوں میں اپنے الفاظ کے دروبست سے نئے نئے رنگ بھرتے ہیں اور اس کو حیات آفرین بناتے ہیں۔ ان کے خیالات میں جدت اور تجربات میں وسعت پائی جاتی ہے۔ منظور کے درج ذیل اشعار سے منظور کا نظریہ شعر کھل کر سامنے آتا ہے۔ کہتے ہیں:۔

گہرا نیلا رنگوں کا اک برف سمندر اللہ ہو
چلتی پھرتی آنکھ کا یہ سیمابی منظر اللہ ہو

وہ لمحہ کتنا پاکیزہ، کیا سندر تھا یعنی جب
دو حصوں میں بٹتی دھرتی ہوئی برابر اللہ ہو

ذات شبنم ہے مقابل آفتاب
آگ کے دریا کا ساحل آفتاب

ہر سمت مرے صرف طلسمات طلسمات
میں ایک طلسمات مری ذات طلسمات

سایہ سایہ یوں بکھرتا جاؤں تو پھر خود کو میں سوچوں گا کیا
تُو چرائے حرف سے معنی تو میں الفاظ کو برتوں گا کیا

روٹھی ہوئی ہواؤں کے پیغام آئیں گے
پھر لوٹ کے پرندے سرِ شام آئیں گے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

حکیم منظور کا موضوع خاص کشمیر رہا ہے۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں بھی اس موضوع کو نہایت ہی سلیقے سے برتا ہے۔ ان کے ہاں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن سے اس سرزمین کی خوشبو ٹپکتی ہے۔ وہ تازہ اور جاندار تراکیب اور علائم بروئے کار لانے کے قائل ہیں۔ جن سے کشمیر کی سدا بہار تصویر سامنے آجاتی ہے۔ ان کا اسلوب کشمیر کی بہاروں کی طرح خوشنما اور ملائم ہے۔ ان کے ہاں اُردو کے ساتھ ساتھ ہندی کے نرم اور ملائم الفاظ بھی ملتے ہیں جن سے کشمیر کی روح تھرکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ان اشعار میں ان کے اسلوب کی تازہ کاری بھی ہے، جذبے کی شدت بھی، اجتماعی فکر کا پرتو بھی اور حقیقت بیانی بھی۔ اسی لئے پروفیسر گوپی چند نارنگ ان کی غزلوں میں فکر و احساس کی تازگی اور اظہار کی صلابت و حلاوت محسوس کرتے ہیں حکیم منظور کے شعری مجموعے ناتمام پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''بہت عرصے کے بعد کشمیر سے غزل میں ایک ایسی آواز اٹھی ہے جو فکر و احساس کی تازگی اور اظہار کی صلابت و حلاوت سے دلوں میں گھر کرتی جارہی ہے۔ حکیم منظور اگر چہ ایسے پُر آشوب دور میں سامنے آئے جب وہی کردار کہانی سے غائب ہوتا جارہا ہے جو اسے کئی رنگ اور کئی موڈ دے سکتا تھا لیکن وہ صرف درد کے منظر نامہ کی کرب انگیزی کے ترجمان نہیں۔ اُن کی آنکھ میں اُفق پر بکھرے ہوئے سارے رنگ ہیں اور کسی ایک موسم سے رشتہ جوڑنا ان کا شعار نہیں۔''(۱)

درج ذیل اشعار سے حکیم منظور کی کشمیر کے تئیں گہری عقیدت کا اظہار ٹپکتا ہے۔ مثلاً

لوگو! لب کھولو، کچھ بولو، جہلم ہے مٹیالا کیوں
میں نے جب اس کو دیکھا تھا، یہ تھا اک آئینا سا

(۱) ناتمام: حکیم منظور (فلیپ سے)

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

برف شگوفے جب کھلتے ہیں، اُس موسم میں آؤ تو
میرے خطوں کی خوشبوؤں کا ہوگا کچھ اندازا سا
گہری ہوئی ہیں اور بھی ڈل کی خموشیاں
جہلم پر جو رواں تھی وہ گفتار سوگئی
کانگڑی بستر میں رکھ کر کھڑکیوں کو وا کروں
برف گرنے کا کبھی میں یوں ہی نظارا کروں
تتلیاں پر پھڑ پھڑا کر گا رہی ہوں روف کے گیت
ایسے میں اک سادہ پر تتلی کو میں دیکھا کروں

حکیم منظور خیالات کو پیش کرنے کا ایسا انداز رکھتے ہیں کہ اس میں شدت، تاثیر اور تازگی کا احساس خود بخود ہوتا ہے۔ وہ مناسب موقعہ پر سلجھے ہوئے انداز میں بات دوسروں تک پہنچانے کا سلیقہ رکھتے ہیں انہوں نے اپنی شاعری میں جدید علامتوں کے ساتھ ساتھ لسانی برتاؤ کا خیال بھی رکھا ہے۔ منظور لفظ و معنی کی کشاکش سے پوری طرح واقفیت رکھتے ہیں۔ اسی لئے ان کے یہاں الفاظ کا استعمال نہایت ہی بلیغ اور خوبصورت ملتا ہے۔ عصرِ حاضر کے ایک اور ممتاز شاعر زبیر رضوی ایک جگہ رقمطراز ہیں:۔

"آج کی زیادہ تر غزل ہماری ہتھیلیوں کے لمس کو چھو لیتی ہے لیکن ہمارے جذبے، احساس اور فکر کی گہرائیوں میں دور تک اپنے پورے لمس کے ساتھ سفر کرتے رہنے کا شوق نہیں جگاتی۔ حکیم منظور کی غزل اس اعتبار سے اپنے زمانے میں لکھی اور کہی جانے والی غزل سے مختلف ہے کہ وہ اکہری ساعتوں، کیفیتوں اور جذبوں کی غزل نہیں ہے۔ تھوڑا سوچتے ہوئے، اسے دہراتے ہوئے پڑھئے تو پھر یہ آپ کے ذہن اور اعصاب پر اپنی گرفت مضبوط کر لیتی ہے۔" (۱)

(۱) صبح شفق، تلاوت: حکیم منظور

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

حکیم منظور اُردو کے ساتھ ساتھ ہندی اور فارسی کے الفاظ اور معنی خیز تراکیب بھی کہیں کہیں خاطر میں لانے کے قائل ہیں۔ جن سے اُن کی غزلوں میں ایک عجیب وارفتگی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ پرانے اور دقیق الفاظ کو نیا جامہ پہنا کر ایک نئی صورت اور خیال عطا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ ایسے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں جو بالکل نئے ہیں اور اپنی ایک الگ انفرادیت رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں پانی، ہوا، دھواں، آندھی، روشنی، خواب، دھوپ، سایہ، عکس، کنکر، آئینہ، آگ، کھڑکی، پتھر، برف، پیڑ، پہاڑ، خون، کانگڑی، موسم، رات، رنگ وغیرہ جیسے الفاظ کی تکرار سے لفظوں کے معنی بدل گئے ہیں۔ اور ان الفاظ کی اہمیت متعین کی ہے۔ جن سے کئی نئی جہتیں سامنے آجاتی ہیں۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ، حکیم منظور کی شاعری کی ان خصوصیات کے پیش نظر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ''حکیم منظور کا ادراک حقیقت کے دھندے اور شوخ، تمام رنگوں کو بہ یک وقت گرفت میں لیتا ہے اور ذہنی نہاں خانوں کے طلسمات سے گزر کر انہیں اس سادگی اور سہولیت سے پیش کرتا ہے کہ عجیب وغریب اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ ان کی آواز بیک وقت جانی پہچانی بھی ہے اور اجنبی بھی۔ ان کا ہُنر اس میں ہے کہ وہ بظاہر سادہ گو معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ باطن تہہ داری اور معنی آفرینی کا حق بھی ادا کر جاتے ہیں۔ اسی اعتبار سے یہ شعری مجموعہ نئی غزل کی جذباتی تہذیب، خوش فکری اور خوش اظہاری کی نئی دستاویز ہے۔(۱)

حکیم منظور کی غزلوں میں فنی چابکدستی اور لہجے کا تیکھا پن ہے۔ اُن کی نفسیاتی محاکات کی انفرادی اہمیت ہے۔ ان کے غزلوں میں پیکر تراشی کا عمل بھی ایک نئے طریقے سے اُبھرتا ہے۔ وہ بات کو گھما پھرا کر کہنے کے قائل نہیں بلکہ مختصر لفظوں میں اپنی بات کہنے کے

(۱) ناتمام: حکیم منظور (فلیپ سے)

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

روادار ہیں۔ مشفق خواجہ ایک جگہ منظور کی شاعری کا جائیزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ''حکیم منظور نے اپنے گردوپیش سے جو اخذ کیا ہے۔ اسے خوبصورت پیرائے میں پیش کر دیا ہے اور اس طرح کہ جو بات بھی کہی ہے روشِ عام سے ہٹ کر کہی اور جو لفظ بھی استعمال کیا ہے اُسے نئی معنویت عطا کر دی ہے۔ مختصراً اس کی غزل سے ایک منفرد اور نئی جہت سامنے آئی ہے۔

ان تمام خصوصیات کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ حکیم منظور عصرِ حاضر کے ایک اہم اور منفرد غزل گو شاعر ہیں تو بے جا نہیں ہوگا۔

●●●

(۱) صبح شفق تلاوت: حکیم منظور

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اُردو ادب کا شیدائی

ـــــ صادق صاحب

ریاست جموں وکشمیر کے سیاسی اُفق پر بعض ایسے ادیبوں، دانشوروں اور قومی اور سیاسی رہنماؤں کا نام بھی آتا ہے جنھوں نے اپنی ذہانت اور بے پناہ صلاحیت سے نہ صرف عام لوگوں کو ہی اپنا گرویدہ بنا کے رکھ دیا بلکہ ملکی اور غیر ملکی سیاسی شخصیتوں اور دانشوروں کو بھی اپنی طرف متوجہ کیا۔ خواجہ غلام محمد صادق کا نام ایسے ہی دانشوروں اور سیاسی رہنماؤں میں پیش پیش ہے جن کے کارناموں کے ذکر کے بغیر جموں وکشمیر کی کوئی بھی سیاسی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔

خواجہ غلام محمد صادق ایک باوقار شخصیت کا نام ہے۔ جو سالہا سال تک عوام کے دلوں پر راج کرتے رہے۔ اُن کا شعور جب بالغ ہوا تو اس وقت ریاست کے سیاسی حالات پر کالے بادل منڈلا رہے تھے۔ ایک طرف غربت، افلاس [illegible]

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

پیدا کی تھی اور دوسری طرف تحریکِ آزادی کا خواب لوگوں کے دِلوں میں اُبل رہا تھا۔ صادق صاحب وطن کے عظیم سپاہی اور قوم کے ہمدرد تھے۔ اُنہوں نے ان حالات میں بھی عوام کی رہنمائی کی اور اپنی بردباری اور بالغ نظری کا ثبوت فراہم کیا۔ اُنہوں نے تحریک آزادی کو ایک صحیح سمت میں آگے بڑھایا اور اپنی محنت، صلاحیت اور جدوجہد سے اس خواب کو حقیقت میں تبدیل کر دیا۔ ہندوستان کے سابق وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی صادق صاحب کو کشمیر کا عظیم رہنما قرار دیتی ہوئی ایک جگہ رقمطراز ہیں:۔

> ''صادق صاحب اُن جانباز سپوتوں میں سے تھے جنہوں نے ریاست کے لوگوں کو حصولِ آزادی کے لئے جدوجہد کرنا سکھایا اور عوام کو اُن قدروں سے روشناس کیا جو ہم سب کو عزیز ہیں، آزادی کے بعد اُنہوں نے نیا کشمیر کی تعمیر میں نمایاں کام کیا۔ بحیثیت وزیراعلیٰ اُنہوں نے انتہائی مشکل دور میں ریاست کی رہبری کی۔ وہ ایک ہر دِلعزیز رفیق کار اور مخلص دوست تھے۔ جمہوریت، سوشلزم اور سیکولرازم کی بنیادی قدروں سے والہانہ وابستگی کی وجہ سے ہم اُن کی غیر موجودگی کو ہمیشہ محسوس کریں گے۔''

صادق صاحب عوام کے صحیح رہنما تھے۔ اُن کی اُنگلی ہر وقت عوام کے نبضوں پر رہتی تھی۔ وہ اُن کے مسائل سے آگاہ تھے اور اُن کی مشکلات کا ازالہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ شخصی حکمرانی، نوکرشاہی، رشوت خوری اور عوام کی بدحالی کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے اُنہوں نے سیاست کے پُرخار راہوں کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور انہی راہوں پر چل کر وہ سالہا سال تک کشمیری عوام کے درد کا مداوا کرتے رہے۔

صادق صاحب ایک کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے والد اپنے زمانے کے ایک شریف النفس اور مذہب پرست بزرگ تھے لیکن صادق صاحب کے دِل

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

میں بچپن سے ہی کشمیری عوام کا درد رچ بس گیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے اپنے لئے ایک الگ راستہ اختیار کیا۔ وہ شروع سے ہی مارکسی فلسفے سے متاثر تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو قومی کاموں اور ملکی خدمات کے لئے وقف رکھا۔ علی گڈھ کی تعلیم کے دوران ہی اُن کے نظریات میں تبدیلی آ گئی۔ اُن کے دل میں سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف بغاوت کی آگ پیدا ہوگئی۔ اس طرح سے ان کے خیالات کی دھارا بدل گئی اور وہ اس تحریک کے ساتھ عملی طور پر شامل ہوگئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اشتراکی فلسفہ حیات نے اُنہیں اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ شدومد سے اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ اپنے جوش اپنی بالیدگی اور اپنی زبردست قوت خطابت کی وجہ سے وہ جلد ہی اپنے معاصرین میں اپنی انفرادیت منوانے میں کامیاب ہوئے۔ اُردو کے معروف ترقی پسند ادیب سید سجاد ظہیر اپنے ایک مضمون ''پرُ استقلال انقلابی'' میں صادق صاحب کو اِن الفاظ میں خراج پیش کرتے ہیں:۔

> ''صادق صاحب کا غیر معمولی امتیاز یہ تھا کہ کشمیر میں انقلابی تحریک کے اُتار چڑھاؤ کے دوران اور ۱۹۴۷ء کے بعد بھی جب کہ آزادی حاصل ہوگئی، ترقی پسندی ہی کی راہ پر صادق صاحب کے پیش قدمی جاری رہی۔ وہ سیکولرازم، جمہوریت اور سوشلزم کے اصولوں پر اٹل طور پر جمے رہے۔ اُن کا ایقان تھا کہ اہل کشمیر کی قسمت ہندوستان اور اس کی ترقی پسند قوتوں سے وابستہ رہنی چاہیئے۔''

صادق صاحب ۱۹۳۴ء میں پرجا سبھا اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اس کے بعد اُنہیں کئی سیاسی انقلابات سے گذرنا پڑا۔ ۱۹۳۹ء میں اُنہی کی صدارت میں مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کا تاریخی فیصلہ لیا گیا۔ وہ حقیقی معنوں میں کشمیر کے لوگوں کی ناگفتہ بہ حالات میں سدھار لانا چاہتے تھے۔ صادق صاحب ۱۹۴۷ء میں شیخ صاحب کی ایما پر پاکستانی لیڈروں اور رہنماؤں سے گفتگو کرنے کے لئے لاہور چلے گئے، جہاں اُنہوں نے اپنی ذہانت سے کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ وہ ریاست کی فلاح و بہبود کے لئے ہر دم

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

کوشاں رہتے تھے۔ انہیں جنگ وجدل، قتل وغارت اور لوٹ کھسوٹ کی پالیسی سے انتہائی نفرت تھی۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جب وہ مختلف وزارتی عہدوں پر فائز رہے تو اُن کے کندھوں پر اور بھی ذمہ داری آن پڑی۔ جن کو وہ نہایت ہی خوش اسلوبی سے نبھاتے رہے۔ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ ایک جگہ اس کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> ''سیاسی حالات پر آپ کو جو عبور رہا ہے۔ اُس کے لئے آپ کی طبیعت میں یہ خداداد قابلیت پہلے ہی سے موجود تھی۔ آپ نے صرف اپنے ملک کی سیاسی اُتار چڑھاؤ سے ہی واقفیت حاصل نہیں کی تھی بلکہ دُنیا میں جو سیاسی اُتار چڑھاؤ پیدا ہو رہے تھے۔ اُن سے بھی آپ کما حقہ واقفیت حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے اُس وقت بھی قوم نے آپ پر اعتماد کیا اور جس قابلیت اور دیانت داری کے ساتھ آپ نے اپنا فرض ادا کیا، وہ ہم سب کو معلوم ہے۔''

شیخ صاحب صادق صاحب کی صلاحیتوں کے قائل تھے۔ چنانچہ ۱۹۵۱ء میں جب آئین ساز اسمبلی قائم ہوئی تو شیخ صاحب نے اس کی صدارت کے لئے صادق صاحب کا نام ہی تجویز کیا۔ ۱۹۶۵ء میں نیشنل کانفرنس کی نیشنل کانگریس میں مدغم کرنے کا فیصلہ بھی صادق صاحب کی قیادت میں ہوا۔ ۱۹۵۱ء میں جب ریاست کا دستور مرتب کیا گیا تو اس کی صدارت کے لئے بھی صادق صاحب کو ہی منتخب کیا گیا۔ صادق صاحب نے ۱۹۵۷ء میں ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس قائم کی اور وہ اپنے اصولوں اور آدرشوں پر قائم رہ کر زندگی بھر عوام کی بے لوث خدمت کرتے رہے۔ ان کی نظریں نہ صرف شہروں میں رہنے بسنے والے لوگوں پر ہی جمی رہتی تھی بلکہ وہ ریاست کے دور دراز اور پچھڑے ہوئے علاقوں کے لوگوں کی مشکلات سے بھی بخوبی واقف تھے۔

خواجہ غلام محمد صادق بچپن سے ہی پڑھنے لکھنے سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ کتابیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

شروع سے ہی ان کا عزیز ترین سرمایہ تھیں۔ شاعری سے وہ زبردست شغف رکھتے تھے۔ غالب، اقبال، جوش، حفیظ، سردار جعفری اور فیض ان کے پسندیدہ شعراء میں سے تھے۔ حفیظ کا شاہنامہ اسلام اور فیض کا کلام انہیں ازبر تھا۔ بچپن میں خود بھی شعر کہتے تھے اور صادق تخلص اختیار کرتے تھے۔ بعد میں شعر کہنا ترک کیا لیکن تخلص ان کے نام کا ایک اہم جز بن گیا۔ صادق صاحب نہ صرف ایک بلند پایہ کے سیاست دان اور قومی رہنما ہی تھے بلکہ وہ کتابوں کے عاشق بھی تھے۔ پروفیسر عبدالقادر سروری (مرحوم) کے مطابق وہ سیاست کے ساتھ ساتھ ادب کا بھی گہرا شعور رکھتے تھے۔ جہاں کہیں انہیں اچھی اور سبق آموز کتاب مل جاتی تھی وہ فوراً خرید لیتے تھے اور اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ اس طرح سے وہ نہ صرف اُردو زبان وادب سے ہی واقفیت رکھتے تھے بلکہ ہر ایک زبان سے اُنہیں محبت تھی۔ وہ کلاسیکی لٹیریچر کے ساتھ ساتھ نئے مصنّفین کے علمی وادبی کارناموں سے بھی واقفیت رکھتے تھے جس کا اظہار شریمتی اندرا گاندھی نے اپنی ایک تحریر میں کیا ہے۔ وہ صادق صاحب کو کتابوں کا عاشق قرار دیتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

> 'صادق صاحب کے مشورے متوازن اور دانشمندانہ ہوتے تھے اُن کی دلچسپیاں ایک اوسط درجے کے سیاست کار سے بسیار وسیع اور ہمہ گیر تھیں۔ چنانچہ جب میں ان سے ملتی تھی تو ہم لازماً تازہ ترین کتابوں کے بارے میں بات چیت کرتے، ان سے بات کرنا واقعی سرور اور انبساط کا معاملہ ہوتا تھا۔ اُنہیں دُنیا بھر کے واقعات پر عبور تھا۔ ان پر بڑی قدرت کے ساتھ روشنی ڈال سکتے تھے۔''

صادق صاحب کو نہ صرف شاعری سے ہی گہری دلچسپی تھی بلکہ وہ افسانہ نگاری سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے۔ کرشن چندر، بیدی، خواجہ احمد عباس، سید سجاد ظہیر اُن کے پسندیدہ فنکار تھے۔ ریاست کے معروف افسانہ نگار پریم ناتھ پردیسی سے انہیں گہری عقیدت تھی جس کا اندازہ مکتبہ لالہ رخ سرینگر کے زیر اہتمام شائع ہونے والے پردیسی کے منتخب

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

افسانوں کے مجموعے ''بہتے چراغ'' کے دیباچے سے ملتا ہے۔ یہ پردیسی پر مکمل اور مبسوط شخصی اور ادبی خاکہ تصور کیا جاتا ہے۔ جس میں صادق صاحب پردیسی کو کشمیر کا پریم چند قرار دیتے ہیں۔

صادق صاحب کرشن چند کے زبردست مداح تھے۔ جب بھی اس عظیم افسانہ نگار کا کوئی افسانہ کسی رسالے میں شائع ہوتا تھا تو وہ کرشن چندر کی اس تخلیق کا اپنی اوّلین فرصت میں مطالعہ کرتے تھے۔ انہیں اس عظیم قلم کار کے ساتھ کس قدر عقیدت تھی، اس کا اندازہ صادق صاحب کے اس خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے ماہنامہ شاعر بمبئی کے مالک ومدیر جناب اعجاز صدیقی کے نام ۱۲ر مئی ۱۹۶۷ء کو تحریر کیا۔

اس خطہ میں وہ لکھتے ہیں:۔

> ''کرشن چندر اُردو ادب میں زبردست مقبولیت رکھتے ہیں۔ اُن کا اسلوب خوبصورت اور رومانی ہے وہ نچلے طبقے کے نمائندہ ادیب ہیں۔ واقعی ان کی ہر کہانی سماجی اور معاشی عدم مساوات کے خلاف بغاوت کی آواز ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے عالمی امن اور بین الاقوامی مسائل کو بھی اپنے ادب میں نمایاں جگہ دی ہے۔ وہ سیاسی بے راہ روی اور رجعت پسندانہ رویوں کے خلاف ایک مجاہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔
>
> ہم کشمیر کے لوگ خاص طور پر اُن کے ممنون ہیں کہ اُنہوں نے اپنی کہانیوں میں ہندوستان کے اس خطے کی خوبصورتی یہاں کے عوام کی زندگی اور اُن کے گوناگوں مسائل کو اُبھارا۔''

صادق صاحب باغ و بہار آدمی تھے۔ شرافت اور انکساری ان کے رگ رگ میں بسی ہوئی تھی۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے اور سماجی مساوات جمہوریت اور مذہبی آزادی کے اصولوں پر کامل اعتقاد رکھتے تھے۔ صادق صاحب غیور اور خود دار انسان تھے۔ اُن کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

سامنے بھید بھاؤ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ یاروں کے یار اور دشمنوں کے دوست تھے۔ وہ فسادات، نعرہ بازی اور بدامنی کے خلاف تھے۔ اُنہیں اپنے اصول اور آدرش عزیز تھے اور وہ ان اصولوں اور آدرشوں پر عمر بھر کمر بستہ رہے۔ کردار کی بلندی، فراخ دلی، اور انسانیت ان کی سرشت میں پائی جاتی تھی۔ صادق صاحب ایک اونچے پائے کے دانشور، اعلیٰ پایہ کے سیاستدان اور اچھے مقرر تھے۔ وہ سرزمین کشمیر کے ایک ایسے مایہ ناز سپوت تھے جن پر ہمیشہ ناز کیا جائے گا۔

اپنی اس مختصر سی تقریر کو اُردو کے اس شعر پر ختم کرنا چاہتا ہوں، جو صادق صاحب کو بہت ہی عزیز تھا۔

دِل نا اُمید تو نہیں ناکام ہی تو ہے
لمبی ہے غم کی شام، مگر شام ہی تو ہے

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

میکشؔ کاشمیری ـــــ شخص وشاعر

ریاست جموں وکشمیر کے شعری اُفق پر بعض ایسے شعراء کا نام بھی آتا ہے جنہوں نے اپنے تخلیقی جوہر سے نہ صرف عام لوگوں کو اپنا گرویدہ بنادیا بلکہ اُردو شعر واَدب کی سرکردہ شخصیتوں کو بھی اپنی طرف متوجہ کیا۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ وقت کی بے اعتنائی نے اُن کے اَدبی کارناموں کو دبیز پَردوں میں چھُپالیا اور اِس طرح سے اُن کے ساتھ نہ صرف ناانصافی ہوئی ہے بلکہ آنے والی نسل بھی اس اَدبی اور ثقافتی وَرثے سے محروم رہی ہے۔ وشوانا تھ درماہ جموی، قیس شیروانی، فانی پریم نگری، رادھا کشن بھان جنون، نند لال کول ناشاد، نرسنگھ سہائے شوق، نرائن جورینہ عنقا، کوثر سیمابی، جیالال بھان برق کاشمیری، شام نرائن یکتا، زناردن ٹینگ ساغر، لسہ کول شائق، تاراچند ترسل سالک، قمر کمرازی، دینا ناتھ مٹو دلگیر، نند لال بے غرض، دینا ناتھ چکن مست کاشمیری، نند لال کول طالب کاشمیری، شام لال ایمہ وغیرہ صرف چند نام ہیں جن کے ذکر کے بغیر جموں وکشمیر کی کوئی بھی اَدبی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔ پنڈت کیلاش ناتھ کول میکشؔ کاشمیری کا نام بھی شعر واَدب کے انہی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

پروانوں میں بڑے احترام کے ساتھ لیا جاسکتا ہے جو گزشتہ کئی دہائیوں سے اُردو شعر و ادب کی خدمت کرتے آئے ہیں۔

پنڈت کیلاش ناتھ کول میکشؔ کاشمیری ۱۷ر جولائی ۱۹۱۶ء میں ہفت چنار سرینگر کشمیر کے ایک اہل علم کشمیری پنڈت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی پنڈت جیون ناتھ کول ایک پڑھے لکھے اور شریف النفس بزرگ تھے جو ریاست جموں و کشمیر کے سریکلچر محکمہ میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ اپنی ملازمت کے دوران جب ان کا تبادلہ سرینگر سے جموں ہوا تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ جموں منتقل ہوئے اور یہیں مستقل طور پر رہائش اختیار کرنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے کیلاش ناتھ کو رنبیر ہائی اسکول جموں میں داخل کرلیا۔ یہیں سے انہوں نے فارسی اور اردو کے خصوصی مضامین کے ساتھ میٹرک پاس کیا۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے جموں کے پرنس آف ویلز کالج میں داخلہ لیا۔ کالج کی فضا اور یہاں کے علم و ادب کے ماحول نے میکشؔ کو ایک نئی تحریک عطا کی۔ بی اے پاس کرنے کے ساتھ ساتھ میکشؔ نے منشی فاضل کا امتحان بھی امتیاز سے پاس کیا اور پھر پنجاب یونیورسٹی سے انگریزی ادبیات میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

میکشؔ شروع سے ہی شعر و ادب سے شغف رکھتے تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں وہ اکثر مصرعے موزوں کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ چونکہ اُردو اور فارسی ان کے من پسند مضامین میں سے تھے اس لئے بچپن سے ہی اساتذہ کا مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔ سکول کے زمانے میں مولوی سلام شاہ اور پنڈت وشوا ناتھ درماہؔ جموی کی حوصلہ افزائی سے ان کے اس شوق کو اور بھی تقویت مل گئی۔ شاعری سے ان کی دلچسپی دیکھ کر مرحوم ماہؔ انہیں مولانا کے نام سے پکارتے تھے۔ خود ان باتوں کا انکشاف کرتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''طالب علمی کے زمانے میں اُردو اور فارسی میرے من پسند مضامین تھے اور میں ہر جماعت میں ان میں اوّل رہا کرتا تھا۔ اگرچہ میں اس وقت بھی نظمیں لکھ لیا کرتا تھا اور اوٹ پٹانگ قسم کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

شعر کہہ لیتا تھا، تاہم میرے دو شفیق مدرسین مولوی سلام شاہ صاحب اور پنڈت وشوناتھ درماہ جموی صاحب میری حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔ ماہ صاحب اکثر میرے والد صاحب سے ملنے تشریف لایا کرتے تھے اور مجھے مولانا کہہ کر پکارا کرتے تھے'' (۱)

میکش کا شمیری کو شروع سے ہی علامہ اقبال سے گہری عقیدت تھی۔ انہوں نے بچپن میں نہ صرف اقبال کے کلام کا مطالعہ کیا تھا بلکہ ان میں سے بعض اشعار ایسے تھے جو ان کے وردِ زبان تھے۔ وہ علامہ اقبال کو اپنا روحانی مرشد تصور کرتے تھے حتیٰ کہ اسی رنگ میں شعر کہنے لگے اور یہ سلسلہ عمر بھر جاری رہا۔ ایک ملاقات کے دوران میرے پوچھنے پر انہوں نے فرمایا:

''میرے والد بزرگوار اُردو کے عالم تھے۔ فارسی سے بھی شغف رکھتے تھے اور فرانسیسی زبان بھی جانتے تھے۔ میرے گھر میں پہلے سے ہی پیامِ مشرق، بانگِ درا، بالِ جبریل اور ضربِ کلیم موجود تھیں۔ جن کا والد صاحب مطالعہ کیا کرتے تھے۔ روحانیت کی طرف بھی اُن کا دھیان تھا۔ انگریزی میں اُپنشد کی کتابیں بھی ان کے زیرِ مطالعہ رہتی تھیں، جو اب تک موجود ہیں۔ اس طرح سے بچپن میں مجھے اقبال کا کلام پڑھنے کا اتفاق ہوا اور میں انہیں اپنا روحانی مرشد تصور کرنے لگا۔ البتہ میری والدہ محترمہ جو لاہور کے کشمیری پنڈت گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں ان میں تھوڑا بہت شوق تھا۔ وہ اُردو اور ہندی پڑھ لیتی تھیں۔ شاید یہی سنسکار مجھ میں ہیں۔ باقی میرے بچوں کو شعر و شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں''

تعلیم مکمل کرنے کے بعد میکش ذریعہ معاش کی تلاش میں بھٹکنے لگے۔ اسی زمانے میں جموں میں ریڈیو اسٹیشن قائم ہوا جو سب سے پہلے رنبیر ہائی سکول کے احاطے میں واقع تھا۔

(۱) میکش کا شمیری: بالِ ہما (اوّلین شعری مجموعہ) ص ۲۷

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

چنانچہ میکش کاشمیری اسکرپٹ رائٹر کے طور پر یہاں ملازم ہوگئے۔ ریڈیو جموں کے سب سے پہلے ڈائریکٹر اُردو کے مشہور ناول نگار اور افسانہ نگار جناب راجندر سنگھ بیدی مقرر ہوئے۔ وہ بڑے نبض شناس تھے۔ انہیں میکش کی صلاحیتوں کا شروع سے ہی علم تھا۔ وہ اکثر انہیں اپنے کمرے میں بلالیا کرتے تھے اور مختلف علمی وادبی معاملات پر تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ اس زمانے میں ریڈیو سے ایک نیا پروگرام ''جوتیوں کی دال'' شروع ہوا تھا اور ریکارڈنگ کا سلسلہ نفی کے برابر تھا۔ اس طرح سے جو بھی پروگرام ہوتا تھا وہ براہ راست نشر ہوتا تھا۔ بیدی صاحب کی رہنمائی میں میکش نے اس پروگرام میں ایک نئی روح پھونک دی اور اپنی خداداد صلاحیت سے اس پروگرام کو سدا بہار بنادیا۔ ایک انٹرویو کے دوران انہوں نے میرے ایک استفسار کے جواب میں فرمایا:

> ''راجندر سنگھ بیدی صاحب تحریر کے بادشاہ تھے۔ اتنا خوبصورت دستخط تھا ان کا اور Extempore بولتے تھے، جو بھی جملہ ایک بار لکھتے تھے، اس کو کبھی نہیں کاٹتے تھے۔ مجھے اکثر اپنے کمرے میں بلایا کرتے تھے اور کبھی کبھی اسکرپٹ ڈکٹیٹ کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی میں اس میں کوئی نہ کوئی شعر لگالیا کرتا تھا تو خوش ہوجاتے تھے، اس زمانے میں ایک نہایت ہی دلچسپ پروگرام 'جوتیوں کی دال' شروع ہوا تھا۔ جس میں ظاہر ہے بیدی صاحب کی رہنمائی اور میری انتھک محنت شامل ہوتی تھی۔ یہ پروگرام اس زمانے میں مقبول عام ہوا تھا۔ حالانکہ ہمارے پاس کسی قسم کا سامان نہیں تھا کیونکہ اسٹیشن نیا نیا ہی بنا تھا۔ اس طرح سے میرا بیدی صاحب کے ساتھ صرف چھ ماہ تک ساتھ رہا۔ یہ ۱۹۴۸ء کی بات ہے''(۱)

۱۹۴۹ء میں جب ریڈیو کشمیر سرینگر وجود میں آیا تو میکش صاحب کا تبادلہ سرینگر

(۱) میکش کاشمیری کے ساتھ ایک گفتگو۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہوا۔ یہاں بھی انہیں کافی محنت اور جانفشانی سے کام کرنا پڑا اور اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لانی پڑیں۔ وہ صرف تین ماہ تک سرینگر میں رہے۔ میکش صاحب کو ایک زمانے میں نامعلوم وجوہات کی بناء پر ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ اس طرح سے ان کا دل ٹوٹ گیا۔ جموں واپس آ کر انہوں نے کچھ عرصہ کے لئے سناتن دھرم اسکول میں درس و تدریس کا کام سنبھالا۔ اس کے بعد ماڈل اسکول میں بھی وہ کئی سال تک بچوں کو تعلیم دیتے رہے لیکن تقدیر بھی کیا کھیل کھیلتی رہتی ہے۔ انہیں پھر سے ریڈیو کی خدمات کے لئے طلب کیا گیا۔ پہلے اسکرپٹ رائٹر کے طور پر کام کرتے رہے، بعد میں انہیں اسسٹنٹ ایڈیٹر شعبہ اُردو و کشمیری تعینات کیا گیا۔ اس زمانے میں جب اس وقت کے پرائم منسٹر شیخ محمد عبداللہ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ریڈیو جموں سے بھی کشمیری زبان میں ایک پروگرام شروع کیا جائے۔ چنانچہ 'پمپوش' کے نام سے ایک علمی و ادبی پروگرام شروع کیا گیا۔ جس کی ترتیب میکش صاحب کے سپرد کی گئی۔ میکش نے یہ چیلنج بھی قبول کیا۔ حالانکہ وہ خود کشمیری نہیں بول سکتے تھے لیکن اس زبان کو سمجھ سکتے تھے۔ وہ اس زبان کے فن پاروں کو آسانی سے دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کی صلاحیت ضرور رکھتے تھے۔ میرے ایک استفسار کے جواب میں انہوں نے مجھے بتایا:۔

> ''اُس زمانے میں ریڈیو سے ایک نیا پروگرام شروع ہوا۔ اس کا نام پمپوش رکھا گیا۔ یہ خالص کشمیری علمی و ادبی پروگرام تھا۔ حالانکہ میں کشمیری اتنی بول نہیں سکتا تھا لیکن یہ زبان ضرور سمجھ میں آتی تھی اور میں اس کے فن پاروں کو آسانی سے انگریزی، پنجابی اور اُردو میں منتقل کر سکتا تھا۔ میں کشمیری آرٹسٹوں اور فنکاروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر لایا کرتا تھا اور پروگرام ترتیب دیتا تھا۔ میری انتھک محنت ہی اس پروگرام کی کامیابی کا ضامن تھا۔''

میکش صاحب خداداد صلاحیت کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنی ۳۴ سالہ ریڈیائی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ملازمت کے دوران بہت سے تجربے حاصل کئے ۔عوام کی دلچسپی کے لئے نئے نئے پروگرام روبہ عمل میں لائے ۔کل ہند پیمانے پر مشاعرے کروائے ،مختلف موضوعات پر باصلاحیت ادیبوں سے مضامین لکھوا کر پیش کئے ۔اچھے اور منجھے ہوئے مقرّرین سے مقالات لکھوائے ۔مقامی صحافیوں سے ''وقت کی بات'' پروگرام کے لئے تبصرے کروا کر نشر کرتے رہے ۔''کہکشاں'' کے نام سے اُردو ادبی پروگرام شروع کیا جو نہایت ہی مقبول رہا۔بعد میں اس پروگرام کا نام ''محفل'' رکھا گیا اور اب اس پروگرام کا نام ''خرمن'' ہے۔ خود بھی مخالف پروپگنڈہ پروگرام 'ڈنکے کی چوٹ' کے لئے لکھتے رہے جو سالہا سال تک ریڈیو جموں سے نشر ہوتا رہا۔اس کے علاوہ غنائیے ،منظوم فیچر اور بے شمار ادبی و نیم ادبی تقاریر لکھیں جن کو لوگوں نے کافی سراہا اور اس طرح سے میکشؔ اُردو زبان و ادب کی بے لوث خدمت کرتے رہے۔

میکشؔ کاشمیری کے دو شعری مجموعے بال ہما (۱۹۹۸ء) میں اور بال عنقا (۱۹۹۹ء) میں شائع ہوئے ہیں(۱)۔دونوں جاذب نظر اور توجہ طلب شعری مجموعے ہیں۔بال ہما میں غزلیں بھی ملتی ہیں اور اُردو غزلے بھی ،منظومات بھی اور سخن پارے بھی۔ان کے دونوں شعری مجموعے قابل مطالعہ ہیں اور غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔میکشؔ کاشمیری ،علامہ اقبالؔ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے ۔اقبالؔ سے انہیں اتنی عقیدت تھی کہ وہ ان کو اپنا روحانی مرشد تصور کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بال جبریل کی تقلید میں اپنے اوّلین شعری پیشکش کا نام ''بال ہما'' رکھا۔میرے ایک استفسار کے جواب میں وہ لکھتے ہیں۔

''میری اپنی دنیا ہے اور میں اسی میں مست رہتا ہوں اور میرے کلام کا رنگ و آہنگ سب سے الگ تھلگ اور جداگانہ ہے۔

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا

''شاعر مشرق' دانائے راز علامہ اقبالؔ میرے روحانی مرشد

(۱) میکش کاشمیری کا ایک اور شعری مجموعہ شہپر طاؤس ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہیں اور میں قدامت پسند ہوں مگر جس عالم میں ہوں خوش وخرم
ہوں اور شاد کام ہوں'' (۱)

علامہ اقبالؔ کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں غالبؔ، داغؔ، جگرؔ، ذوقؔ، فراقؔ، سوداؔ اور جوشؔ کا رنگ بھی ملتا ہے لیکن ان تمام اساتذہ کے رنگ کے ساتھ ساتھ ان کا خود اپنا رنگ بھی ہے جو بہت ہی نمایاں ہے۔ میکشؔ جدید شاعری کے قائل نہیں۔ وہ قدامت پسند شاعر ہیں کیونکہ انہیں کلاسیکی شاعری کے رچاؤ کا زبردست احساس تھا۔ وہ شاعری کو جزویست از پیغمبری کا درجہ دیتے تھے اور اِسی پر عمر بھر کاربند رہے لیکن وہ جدیدیت کو یکسر نظر انداز بھی نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی شاعری کلاسیکی اور جدید رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ اگرچہ وہ بار بار جدیدیت سے منہ موڑتے تھے لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ ان کے ہاں عصری آگہی کا عرفان بھی جگہ جگہ ملتا ہے۔ جس کا احساس خود ان کو بھی تھا۔ ایک جگہ کہتے ہیں ؎

شاعری میری زندہ جاوید
جو بیک وقت ہے جدید و قدیم

اس بات کی طرف پہلے ہی اشارہ کیا گیا ہے کہ میکشؔ کاشمیری، کشمیری پنڈتوں کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ بچپن کے بے فکر لمحات کشمیر میں گزارے، لہٰذا ان کی شاعری میں سرزمین کشمیر کی بو باس بہ درجہ اتم ملتی ہے۔ وہ کشمیری ہونے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ وہ ان لمحات کو اکثر یاد کرتے تھے جو انہوں نے کشمیر کی کھلی فضاؤں میں گزارے تھے۔ انہیں کشمیر کے مناظر، یہاں کا کلچر اور تہذیب نہایت ہی عزیز تھا۔ وہ ان ایام کو یاد کرتے تھے اور دل ہی دل میں جھوم اٹھتے تھے جو انہوں نے اپنے آبائی مکان میں گزارے تھے۔ یہاں اس بات کا اعادہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ کشمیر نہ صرف کشمیر میں رہنے بسنے والے شعراء کا من پسند موضوع رہا ہے بلکہ اس موضوع میں اتنی بوقلمونی ہے کہ یہ موضوع کشمیر سے باہر اقامت پذیر شعراء کا بھی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اقبالؔ، چکبستؔ، بشن نرائنؔ درابر، برج

(۱) راقم السطور کے نام میکشؔ کاشمیری کا ایک خط۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

موہن دتاتریہ کیفی، تربھون ناتھ ہجر، آنند نرائن ملا جیسے شعراء کا سرزمین کشمیر کے ساتھ رشتے سے کون کافر انکار کرسکتا ہے۔ میکش اگرچہ جموں میں پلے بڑھے اور جوان ہوئے لیکن اُن کا تعلق براہ راست کشمیر سے تھا۔ انہوں نے بھی اس موضوع پر بڑی دلاویز نظمیں لکھی ہیں جن میں دَرد بھی ہے اور کسک بھی، فضا آفرینی بھی ہے اور نغمگی بھی۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد، بال ہما میں کشمیر کے حوالے سے میکش کا شمیری کا تعارف یوں کراتے ہیں:۔

''دنیا کی شاعری کو کشمیر ہی کی دین ہے۔ میکش کا شمیری کا تعلق بھی شعراء کی اُس جماعت سے ہے جس کے اَرکان کشمیری نژاد ہیں اور جنہیں کشمیری نژاد ہونے پر فخر ہے۔''

کشمیر سے اپنی بے پناہ عقیدت کا جذبہ میکش اپنی شاعری میں بار بار دِلاتے ہیں۔ وہ کشمیر کو کبھی بھارت کا مکٹ تصور کرتے ہیں اور کبھی اس کو خلدِ جاوداں کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کبھی اس میں گل نرگس اور نسترن کی خوشبو محسوس کرتے ہیں اور کبھی اس کو وادی پمپوش کا نام دیتے ہیں۔ اپنے اشعار میں اپنے مادر وطن کشمیر کا ذکر والہانہ انداز میں کرتے ہیں۔ مثلاً چند اشعار ؎

اے میرے خلدِ جاوداں — تیرا جواب ہے کہاں!
تری ثنا ہو کیا بیاں! — تو ہے بہشت گل فشاں
نام ترا ہے حرزِ جاں — تو ہے عزیز قدسیاں
طواف میں تیرے آسماں — تجھ پہ خدا ہے مہرباں
ذرّے ہیں تیرے کہکشاں — تیری ادائیں داستاں
تیری ہوائیں مے فشاں — تیری فضا میں مستیاں
کیسے کھلے ہیں بوستاں — جن میں طیور نغمہ خوان

(خلدِ جاوداں کشمیر)

☆

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ترے نصیب میں یہ وسعتیں فلک کی کہاں
اُڑان تری اگر مثل شاہباز نہیں

شبستان و قصر شہی جل رہے تھے
نگاہِ قلندر شرر بار کیا تھی

کردار کے اَب غازی کہاں ہیں!
گفتار ہی کے سارے ہیں غازی

ہر نالہ شب میرا بے کار ہوا ثابت
کام آ نہ سکی کچھ بھی یہ آہِ سحر گاہی

عرشِ بریں سے بھی پرے تیرا مقام ہے بشر
انجم و کہکشاں تو کیا ماہ تمام سے گزر

☆

رُوح پَرور جاں فزا اس کی فضا
کیف سے معمور ہر موجِ ہوا
جابجا تسنیم و کوثر ہیں رواں
ذرّہ ذرّہ اس جگہ ہے گل فشاں
ہر طرف طوفان رنگ و بو بپا
جاذبِ قلب و نظر اک اک ادا

(خطۂ کشمیر)

میکش کی شاعری میں کشمیر کے المناک واقعات کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔ وہ کشمیر کے روایتی بھائی چارے کو یاد کرتے ہیں۔ اُن کی نظمیں خُلدِ جاوداں کشمیر، کشمیر. بھارت کا مکٹ، خطہ کشمیر، کشمیر کے علیحدگی پسند بھائیوں سے اور جھیل مانسر کے کنارے ایک شام چند یادگار نظمیں ہیں۔ ان نظموں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جموں میں رہائش کرنے کے باوجود کشمیر کو نہیں بھولے۔ میکش کے تمام عزیز و اقارب اپنی مٹی سے کٹ گئے ہیں اور ملک کے دوسرے حصوں میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ منظر میکش سے نہیں دیکھا جا رہا ہے۔ دیکھئے وہ کس طرح سے شکوہ کرتے ہیں:۔

کتنے لوگوں کو جنت بدر کر دیا
ارض لالہ کو لاشوں سے کیوں بھر دیا

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

لوگ کتنے مرے کتنے گھر جل گئے
اُن کا شیرازہ کیوں منتشر کردیا
یہ وطن جن کا مولود ومالوف تھا
اُنہی لوگوں کو کیوں دربدر کردیا

اپنی ایک اور نظم میں کشمیر کے علیحدگی پسند مسلم بھائیوں سے اپیل کرتے ہیں کہ اگر وہ سچے نمازی ہیں تو اُنہیں بندہ نوازی نبھانے کا پورا فرض ادا کرنا چاہئے اور کشت وخون سے باز آنا چاہئے۔ کیونکہ کوئی بھی قوم قتل وغارت، لوٹ مار اور بربریت کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ چنانچہ اپنے خیالات کو کچھ اس طرح سے اپنی نظم میں زبان دیتے ہیں:۔

تمہیں معلوم ہے شیوہ ہے کیا سچے نمازی کا
نبھاتا ہے جہاں میں فرض وہ بندہ نوازی کا
لگاتا ہے گلے سے غیر مسلم کو بھی وہ دائم
جسے اللہ نے بخشا ہے رُتبہ سرفرازی کا
کسی مذہب میں بھی جائز نہیں ہے کشت وخون دیکھو
بُرا انجام ہوتا ہے ہمیشہ فتنہ سازی کا

میکشؔ نے صرف کشمیر کو ہی اپنی نظموں کا موضوع نہیں بنایا بلکہ عام موضوعات پر بھی بڑی دلآویز نظمیں لکھی ہیں۔ وہ مدر ٹریسا کی سماجی خدمات سے بھی بے حد متاثر نظر آتے ہیں اور انہیں فرشتۂ رحمت قرار دیتے ہیں۔ وہ ممتا، پیار اور انسانیت کے تئیں ان کی بے لوث خدمات کو یاد کرتے ہیں۔ میکشؔ کہتے ہیں کہ مدر ٹریسا بے شمار یتیموں، ضعیفوں، بیکسوں اور پریشاں حال لوگوں کے دُکھ دَرد کا عمر بھر مداوا کرتی رہیں۔ انہوں نے حاجت مندوں، بوڑھوں، بچوں کی خدمت کرنا اپنی زندگی کا شعار بنایا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے اصولوں پر کاربند رہیں۔ میکشؔ اپنی اس نظم میں مدر ٹریسا کی خدمات کا بڑی دلنشین انداز میں الفاظ کا جامہ پہنا کر پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

مدر بے شک نحیف وزار لوگوں کی مسیحا تھی
پریشاں حال، دل فگار لوگوں کی مسیحا تھی
لگاتی تھی گلے ان کو نہ تھا جن کا کوئی پرساں
یتیموں، کوڑھیوں، بیمار لوگوں کی مسیحا تھی
وہ مشفق ماں تھی ان سب کی جو ممتا کو ترستے تھے
جو بیچارے تھے ان لاچار لوگوں کی مسیحا تھی
وہ ممتا، پیار اور بے لوث خدمت کا فرشتہ تھی
وہ اس دنیائے آب وگل میں رحمت کا فرشتہ تھی

(فرشتۂ رحمت۔ مدر ٹریسا)

میکشؔ ''جھیل مانسر کے کنارے ایک شام'' میں بڑی دلنشیں انداز میں جموں کی اس مشہور جھیل کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ وہ جموں شہر کے بیچوں بیچ گزرتی ہوئی بل کھاتی ہوئی نہر کی بھی ایک مصور کی طرح مناسب الفاظ کے ذریعے سے نقاب کشائی کرتے ہیں اور دریائے توی کے کنارے صدیوں سے نظر آتے ہوئے گول پتھروں کی بھی بڑی خوبصورتی سے عکاسی کرتے ہیں۔ 'بال ہما' میں ''توبہ'' کے نام سے ایک طنزیہ نظم بھی ملتی ہے، جس میں عصری آگہی کا عرفان نظر آتا ہے۔ میکشؔ امام عالی مقام حضرت امام حسینؑ کے حق کے لئے شہادت پر بعض فکر آنگیز سلام بھی ضبط تحریر میں لا چکے ہیں۔ ان میں بھی ان کی فنکارانہ چابکدستی جابجا ملتی ہے۔ اس طرح سے پتہ چلتا ہے کہ میکشؔ نہ صرف ہر ایک مذہب، ہر ایک فرقے اور ہر ایک انسان کو عزیز رکھتے تھے بلکہ وہ انسانیت کا احترام کرنے کے روا دار تھے۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں:۔

سلام اس پر کہ جس نے حق کی خاطر جان تک واری
لٹا گھر بار سارا، اس پہ بھی ہمت نہ ہاری

(سلام)

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

حق کے لئے حسینؓ نے سر اپنا دے دیا
کتنی ہے بے مثال شجاعت حسینؓ کی

(عالی مقام حضرت امام حسین)

میکشؔ کی ایک طنزیہ نظم کے چند شعر ملاحظہ کیجئے۔ اس نظم میں عصر حاضر کے انسانی زندگی کا خاکہ ملتا ہے۔ نظم کے چند بند آپ بھی سن لیجئے اور داد دیجئے ؎

کیسا کلجگ کا ہے اثر توبہ — ہر بشر میں ہے شر ہی شر توبہ
کتنا اب پست ہو چکا انسان — دل میں مطلق نہیں ہے ڈر توبہ
حرکتوں سے درندگی ٹپکے! — کتنی خون خوار ہے نظر توبہ
زر ہی زر کی ہوس ہے سودا ہے — پھر گئے ہیں سبھی کے سر توبہ
خادمِ قوم، اب کہاں نیتا — ہر کسی میں ہے حرص زر توبہ!
کس سے اَب رہبری کی ہو اُمید — راہ زن جب ہیں راہ بر توبہ
رقص گاہوں میں ناچ ڈسکو کا — اور ماں باپ بے خبر توبہ
یہ ہمارا ہے فرض ہم جانیں — اِس سے ہوتا ہے جو ضرر توبہ
کچھ بھی بگڑا نہیں ہے اے میکشؔ — اَب بھی کرلے بشر اگر توبہ

میکشؔ نے غزل گوئی میں بھی اپنے جوہر دکھائے ہیں۔ اُن کی غزل میں اُن کے جذبات کھل کر اُمنڈ کے آئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ غزل کے مزاج سے کما حقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ انہیں پرانی قدروں کا بھرپور احساس ہے۔ ان کی غزل میں روایت کا رنگ غالب ہے لیکن اس رنگ کے ساتھ ساتھ وہ اپنا ایک انفرادی رنگ بھی رکھتے تھے۔ میکشؔ کا مطالعہ گہرا تھا۔ وہ زمانے کے سرد و گرم سے واقفیت رکھتے تھے وہ بات کو گھما پھرا کر کہنے کے قائل نہیں بلکہ اپنے جذبات و احساسات کو صحیح ڈھنگ میں پیش کرنے کا گہرا اَدراک رکھتے تھے۔ میکشؔ کو وہ زمانہ نصیب ہوا جو ہندوستان میں سیاسی اتھل پتھل کا زمانہ تھا۔ ہندوستان کی تمام ریاستوں کی طرح ریاست جموں و کشمیر بھی اس کی لپیٹ میں آئی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

تھی۔ ۱۹۴۷ء میں وطن تقسیم ہوا۔ یہ انسانیت کے ماتھے پر ایک بدنما داغ تھا۔ بٹوارے سے جہاں وطن انگریزوں کی چنگل سے آزاد ہوا وہاں بہت سارے مسائل پیدا ہو گئے۔ ادیب اور شاعر بھی ان مسائل سے دو چار ہوئے اور اپنے فن پاروں میں ان تمام حالات کی تصویر کشی کرنے لگے۔ چنانچہ میکشؔ کی شاعری میں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن سے یہ درد وکرب محسوس کیا جاسکتا ہے۔ میکشؔ اِس دَور کی عکاسی کرتے ہوئے اپنے مجموعۂ کلام ''بالِ ہما میں'' رقمطراز ہیں:۔

> ''دیش کے بٹوارے سے تین چار برس پہلے کی بات ہے کہ ہماری ریاست میں صرف ایک ہی بزم ہوا کرتی تھی۔ بزمِ اُردو جموں وکشمیر، اور اس کے جنرل سکریٹری اس وقت کے مشہور ومعروف ادیب اور نقاد چشتی غلام حیدر صاحب کے سخنور بھانجے جناب قیس شیروانی نظامی گنجوی تھے..... چند ماہ کے لئے میں اس بزم کا جوائنٹ سکریٹری بھی رہا اور پھر لاہور ایم اے کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے چلا گیا۔ جب وہ زمانہ یاد آتا ہے اور اپنے بچھڑے ہوئے احباب نہیں ملتے تو کلیجہ مسوس کر رہ جاتا ہوں۔ کچھ تو پاکستان ہجرت کر گئے اور کچھ اللہ کو پیارے ہو گئے۔'' (۱)

ملک کی تقسیم سے نہ صرف جان ومال کا نقصان ہوا بلکہ بزم اُردو جموں وکشمیر کا شیرازہ بھی بکھر کے رہ گیا۔ محمود ہاشمی، عبدالحمید نظامیؔ، فضل حسین کیفؔ اسرائیلی، خواجہ علیم یزدانی، مصور قریشی، حبیب کیفوی، شیخ گلزار احمد فدا، لاغرؔ جموی، کوثر سیمابی، منوہر لال دلؔ، ہدایت اللہ قوت، بشارت فارانی، ظفرؔ کاظمی، راؤ پریتم چند، عمادالدین سوزؔ، کشمیری لال ذاکر، چودھری حسن محمد منہاسؔ، قاضی نظام الدین، منگورام وفا، نرسنگھ سہائے شوقؔ، اللہ رکھا ساغرؔ،

(۱) میکشؔ کاشمیری: بالِ ہما، ص۔ ۲۸، ۲۹

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

گردھاری لال تمنا، اثر صہبائی ، امین حزیں اور عزیز کاشی اور اس قبیل کے ان گنت قلمکار شاعر اور ادیب نہ جانے کہاں کہاں بھٹک گئے۔ ایک طوفان آ گیا جو سب کو بہا کے لے گیا۔ لیکن اپنے مادر وطن کے تئیں شاعروں اور ادیبوں کا عقیدت کا جذبہ کم نہیں ہوا۔ اس حال میں بھی یہ فنکار کام کرتے رہے۔ چنانچہ محمود ہاشمی کی ''کشمیر اداس ہے'' حبیب کیفوی کے ''کشمیر میں اردو'' اور کشمیری لال ذاکر کے بے شمار ناول اور افسانوی مجموعے شائع ہوئے۔ میکش کی شاعری میں تقسیم ملک کی تباہ کاریوں کا بخوبی اشارہ ملتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تقسیم سے انسانیت کا خون ہو گیا ہے۔ ہر طرف طوائف الملو کی اور انتشار پھیلا ہوا ہے۔ غربت، افلاس، محرومی اور لاچارگی کا سایہ چاروں اور منڈلا رہا ہے۔ ہند پاک کے آپسی تناؤ اور ٹکراؤ نے انسان کو بے حس بنا دیا ہے۔ انسان زندگی سے حد سے زیادہ بددل ہو گیا ہے لیکن میکش پرامید ہے کہ اگر انسان چاہے تو پل بھر میں آپسی جھگڑے مٹ سکتے ہیں اور حوصلہ بخش نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ ایک جگہ کہتے ہیں:۔

کچھ بھی بگڑا نہیں ہے اَے میکش — اب بھی کر لے اگر بشر توبہ!
سبھی ہیں ایک چمن کے طیورِ خوش الحاں — وہ بھارتی ہو کہ پاکی مصری وچینی
کفر و اسلام گلے ملتے ہیں باہم میکش — باہم آغوش سحر شام ہوئی جاتی ہے

اب دیکھئے بٹوارے سے انسان کی بے راہ روی کا جائزہ کس طرح لیتے ہیں۔ کہتے ہیں:۔

ہر طرف نفسا نفسی یا الگ صوبے کی مانگ
منتشر اَپنے وطن کا مجھ کو شیرازہ ملا
کیوں نہ ملزم بَری ہو باعزت
ہیں کرائے کے سب گواہ یہاں
اَب تو آدھی صدی بھی بیت چلی
پھر بھی کتنے ہیں بے پناہ یہاں

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

میکدے میں سبھی برابر ہیں
چاہے جو بھی کسی کا ہو مذہب

'بالِ ہما' میں بعض قطعات اور رباعیات بھی نظر نواز ہوتے ہیں۔ان میں بھی میکشؔ نے اپنے پسندیدہ موضوعات کو بروئے کار لایا ہے۔ یہاں بھی ایک طرف حسن و عشق کے جذبات اُمڈ کے آئے ہیں وہاں دوسری طرف میکشؔ نے دُنیاوی مسائل کا بھی احاطہ کیا ہے اور اپنے مخصوص انداز میں انسانی زندگی کے دَرد و کرب کا نقطہ بڑے دلنشیں انداز میں کھینچا ہے۔

دیکھئے اَپنے اِس قطعے میں وہ اپنا مسلک کیسے بیان کرتے ہیں:۔

خاموشی سے غم سہنا مرا مسلک ہے
لبیک سدا کہنا میرا مسلک ہے
تو جیسے بھی رَکھے گا رہوں گا یارب
راضی بَرضا رہنا میرا مسلک ہے

دیکھئے خدا کی عظمت میں کیسے رطب اللسان ہیں:۔

ہر گل میں تری رنگ ونکہت دیکھی
تتلی میں بھی تیری ہی شباہت دیکھی
آیا نہ نظر کوئی مجھے ترے سوا
ہر شکل میں یا رب تیری صورت دیکھی

اَپنے اِس قطعے میں بڑے پتے کی بات کہتے ہیں:۔

وہ دَھرم کے اُپکا کے ساماں ہیں کہاں اَب
دیندار کہاں! صاحب ایماں ہیں کہاں اَب
شائستہ زنار برہمن بھی کہاں ہیں!
تھے واقعی مومن جو مسلمان ہیں کہاں اَب

میکشؔ کا دوسرا شعری مجموعہ بالِ عنقا کے نام سے ۱۹۹۹ء میں منظر عام پر آیا۔انہوں

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

نے اِس شعری مجموعے کا آغاز اَپنے ایک شعر سے کیا ہے:۔

خدا کی دین ہے میکشؔ بصورتِ الہام
وگر نہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے!

بالِ عنقا کے آغاز میں وہ اپنا منظوم تعارف پیش کرتے ہیں جو قابل مطالعہ ہے۔ اپنے اس تعارف میں بھی انہوں نے اپنے مرشدِ فن علامہ اقبالؔ کی تراکیب اور علایم سے کام لیا ہے۔ اس کے بعد میکشؔ کے دو نثری نمونے سامنے آتے ہیں جن میں وہ اپنی شاعری کے بارے میں وضاحت سے گفتگو کرتے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ میکشؔ، علامہ اقبال کے شروع سے ہی پرستار تھے۔ ان کو علامہ اقبالؔ سے بچپن سے ہی آشنائی تھی۔ وہ اقبالؔ کی شخصیت اور شاعری سے اتنے متاثر تھے کہ انہیں ضبطِ نفس، صبر و ایثار اور عمل پیہم کا اوّلین درس یہیں سے حاصل ہوا۔ وہ بچپن سے ہی کلام اقبال کو اپنا قیمتی اثاثہ سمجھنے لگے اور ان کے اشعار کے مفاہم سے آگہی اور بصیرت حاصل کرتے رہے۔

بال عنقا میں میکشؔ کی ۱۴۶/ ایسی غزلیں شامل ہیں جو علامہ اقبالؔ کی زمینوں میں کہی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض سنگلاخ زمینیں بھی ہیں اور آساں اور سہل بھی۔ میکشؔ خود استاد فن تھے۔ انہیں فن شاعری کے رموز سے پوری پوری واقفیت تھی۔ عروض کا بھی گیان تھا اور الفاظ کے دروبست سے بھی وہ آشنا تھے۔ اس لئے انہیں علامہ اقبالؔ کے مصارع طرح پر غزلیں کہنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی بلکہ وہ بلا کسی رُکاوٹ کے غزلیں کہتے رہے اور ایک خاص قسم کی آسودگی حاصل کرتے رہے۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا لازمی بن جاتا ہے کہ میکشؔ اپنی شاعری کے آخری دور میں ڈاکٹر امانت شیخ سے شعر و ادب پر مشورہ لیا کرتے تھے۔ ان ہی کی فرمائش پر میکشؔ نے اقبالؔ کے ان مصارع طرح پر طبع آزمائی کی۔ جس کا اعتراف وہ خود الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"میں نے اپنے روحانی مرشد شاعرِ مشرق و دانائے راز علامہ اقبال کی چند منتخب غزلوں کی زمینوں میں طبع آزمائی کرنے کی جسارت

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

کی ہے۔ یہ تمام مصارع طرح جو منسلک فہرست میں درج ہیں
میرے استادمحترم قبلہ وکعبہ ڈاکٹر امانت شیخ صاحب مدظلہ نے
میری طبع سلیم کو جولاں کرنے کی غرض سے مجھے پونے سے لکھ
بھیجے تھے۔ میں قبلہ وکعبہ موصوف کا ممنون احسان ہوں کہ انہوں
نے میری کاوش فکر اور طبع آزمائی پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور
داد وتحسین سے بھی نوازا۔''

میکشؔ کاشمیری کی ان غزلوں میں حیات وکائنات کے مسائل، جذبہ خودی کی کار فرمائی، وطنی، قومی اور ملّی تصورات کے ساتھ ساتھ علامہ اقبالؔ کے محبوب علائم، تشبیہات اور استفسارات اور تراکیب کی جھلکیاں ملتی ہے۔

اقبالؔ کی شاعری میں عشق کی بڑی اہمیت ہے جس کا احساس ان کے بے شمار اشعار سے ہوتا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اِس زمیں وآسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں

میکشؔ کاشمیری بھی عشق کو اہمیت دیتے ہیں۔ دیکھئے وہ اقبالؔ کی طرح عشق کا کیسے احترام کرتے ہیں اور جگہ جگہ اپنی شاعری میں اس کی تشریح کرتے ہیں:۔

رموز عشق کا ہوگا نہ انکشاف کبھی
عشق تو ہے بے نیاز بحث وتمحیص ودلیل
عجز پر عشق ناز کرتا ہے
ملکیت حسن کی غرور نہیں

عشق کے ساتھ ساتھ علامہ اقبالؔ کی شاعری میں حسن، حیات، خودی اور دیگر کئی تصورات اہمیت کے حامل ہیں۔ میکشؔ نے بھی اپنے مرشد علامہ اقبالؔ کے اِن تصورات سے خوشہ چینی کی ہے اور اقبالؔ کا حقیقی پرستار ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

نظر، بشر، فقر، شاہین، باز، کے ساتھ ساتھ خورشید، ابلیس، مژگان، شاہباز، بندہ، خدا، غازی اور انجم وغیرہ جیسے اقبالؔ کے علائم اور لفظیات کو میکشؔ نے استعمال کر کے اپنے جذبات وخیالات کو شعری پیکر عطا کئے ہیں۔ مثلاً

میکشؔ نے اقبالؔ کی تراکیب سے بھی کام لیا ہے اور اپنی محنت، لگن اور صلاحیت سے اپنے کلام میں تازگی اور توانائی پیدا کی۔ میکشؔ ایک قادرالکلام شاعر تھے۔ انہوں نے ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی۔ غزل، نظم، سلام، سانیٹ، قطعہ، رُباعی، دوغزلے وغیرہ ان کی پسندیدہ اصناف تھیں۔ میکشؔ قدامت پسند شاعر تھے لیکن ان کے ہاں نیا رنگ وآہنگ بھی ملتا ہے۔ اگرچہ وہ جدیدیت کے قائل نہیں اور صرف کلاسیکی شاعری کے پرستار تھے لیکن پھر بھی ان کے ہاں نئے نئے مضامین اپنے پورے آب وتاب کے ساتھ ملتے ہیں۔ میکشؔ کا ابتدائی کلام تلف ہو گیا ہے۔ ان کے دو شعری مجموعوں بال ہما اور بال عنقا کا کلام انہوں نے صرف چار مہینوں کی مدت میں کہا ہے۔ بال ہما میں ایک جگہ خود ہی رقمطراز ہیں:

> ''اس شعری مجموعہ میں شامل سارا کلام میں نے کل چار مہینوں کی مدت کے دوران کہا ہے۔ پہلی بیاض شعر جس پر قبلہ ابوالفصاحت حضرت جوش ملسیانی صاحب نے اصلاح فرمائی تھی مستی کے عالم میں تلف کر دی تھی'' (۱)

افسوس کہ اُردو شاعری کا یہ تابندہ ستارا گزشتہ برس ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس طرح سے شعر وادب کی دنیا میں نہ پُر ہونے والا خلاء پیدا ہو گیا۔

(۱) بال ہما: میکشؔ کاشمیری، ص ۳۴

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

بچوں کی شاعری اور مظہر امام

بچے ہماری قوم کے شاندار ورثے کے امین اور روشن مستقبل کے نقیب ہیں۔ بچوں سے ہی ہماری دنیا روشن اور تابناک ہے۔ یہ انسان کے خوابوں کی تعبیر بھی ہے اور اس کے تہذیب، شائستگی اور عظمت کی تعبیر بھی۔ اس کی دنیا نرالی ہوتی ہے اور اس کے مشاغل جداگانہ۔ اسی لئے بچے کو انسانی سماج کے نقش اوّلین تصور کیا جاتا ہے۔ پروفیسر عبدالحق اپنے مضمون ''اردو میں بچوں کا ادب'' میں انسانی سماج میں بچوں کی اہمیت اور افادیت کا جائزہ لیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

> ''انسانی سماج کا پہلا تعمیری نقش بچوں سے بنا ہے اور ہمارے معاشرے کا عکس و اظہار انہیں بچوں کے ذہن میں مرکوز ہوتا رہتا ہے۔ چوں کہ یہ تہذیب کے امین اور نگہباں ہوتے ہیں اس لئے ان کی تربیت کا مسئلہ ہمارے علوم میں بنیادی توجہ اور ترجیح کا حامل رہا ہے'' (۱)

(۱) ماہنامہ ''آج کل'' دہلی۔ جلد ۳۶۔ شمارہ ۵۔ ۱۹۷۷ء۔ ص ۳۶

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اردو میں بچوں کا ادب بڑی اہمیت کا حامل ہے اور یہ ایک عرصے سے تخلیق ہو رہا ہے۔اس سلسلے میں سب سے پہلے خالق باری کی کتابوں سے رہنمائی حاصل ہوئی ہے۔ان کتابوں میں بچوں کی تعلیم وترتیب، اخلاق وعادات اور شائستگی کی تہذیب ملتی ہے۔اس کے بعد ایک عرصہ تک اس سلسلے میں کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی۔نظیر نے اگرچہ اپنی نظموں میں بچوں کے جذبات ابھارنے کی کوشش کی۔لیکن حقیقت میں اس سلسلے میں احیائے نوغدر کے بعد ہی ہوتا ہے (۱) اسی زمانے میں اصلاحی رجحان کے ساتھ ساتھ انگریزی ادب سے دلچسپی لی جانے لگی۔اس طرح سے اردو میں نئی نظم کی باقاعدہ شروعات کے ساتھ ساتھ ادب اطفال کی تخلیق کا سلسلہ بھی شروع ہوتا ہے۔اس کی آبیاری کرنے والوں میں حالی، آزاد، شبلی، اسمٰعیل میرٹھی، اقبال، سرور جہاں آبادی، چکبست، تلوک چند محروم، حامد اللہ افسر، شفیع الدین نیر، جیسے شعراء کے نام لئے جاسکتے ہیں۔انہوں نے اس شعبے کو نئی شمعوں سے ہم کنار کیا۔ موجودہ دور میں اس سلسلے میں مظہر امام کا نام بھی لیا جاسکتا ہے۔بچوں کے حوالے سے ان کی نظمیں اگرچہ تعداد کے لحاظ سے انگلیوں پر گنی جاسکتی ہیں۔لیکن ان کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔یہ نظمیں حب الوطنی کے موضوعات پر بھی ہیں اور انسان دوستی اور عالمی برادری کا درس بھی دیتی ہیں۔مظہر امام نے ان میں سے بیشتر نظمیں اس زمانے میں لکھیں جب وہ درس وتدریس کے شعبے سے وابستہ تھے۔ٹی وی اور ریڈیو کی ملازمت کے دوران بھی کبھی کبھار یہ سلسلہ چلتا رہا۔مظہر امام کی یہ نظمیں فکری اور فنی اعتبار سے اہمیت کی حامل ہیں۔

مظہر امام نے ان نظموں میں بچوں کے جذبات بڑے سلجھے ہوئے انداز سے پیش کئے ہیں۔انہوں نے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے بچوں کو حب الوطنی، اخوات اور بھائی چارے کا درس دیا ہے۔مظہر امام کے مطابق ایک بچہ نظموں سے ہی فیض یاب ہو کر تعلیم وترتیب کے زیور سے آراستہ ہوسکتا ہے اور ملک کی بھلائی کے لئے کام آسکتا ہے۔یہاں مظہر امام ایک شاعر، ایک عالم، اور ایک ادیب کے علاوہ ایک ماہر تعلیم بھی نظر آتے ہیں۔مظہر امام

(۱) ڈاکٹر برج پریمی۔''مباحث'' رچنا پبلی کیشنز جموں ۱۹۹۷ء۔ص ۱۵۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

نے بچوں کے لئے جو بھی نظم لکھی۔ اس میں روانی، سلاست، فضا آفرینی اور کیف و گداختگی پائی ہے۔ ان کی نظموں میں چند ایسے کردار بھی ابھر کر سامنے آجاتے ہیں جن سے بچے کا دل بہل جاتا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم اپنی کتاب میں ان نظموں کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یہ نظمیں اور غزلیں اپنے فکری تنوع اور زبان کی سلاست اور برجستگی کے اعتبار سے توجہ کی مستحق ہیں۔ ان کی معنی خیزی اور ان میں پوشیدہ اشارے جو بچوں کے دلوں میں زندگی کی مثبت قدروں کے شوق و رغبت پیدا کر سکیں۔ انہیں ایک خاص مرتبہ عطا کرتے ہیں" (۱)

مظہر امام بچوں کی نفسیات سے بھی کما حقہ آگاہ ہیں اور یہاں انہوں نے پورے فنی محاسن کا خیال رکھا ہے اور خوبصورت استعاروں اور تراکیب سے اپنی نظموں کا تانا بانا تیار کیا ہے ان کی نظمیں صبح کا تہوار، طوفانوں کا زور اگر ہے، آؤ کھلونے کھیلنے والو، روٹی اور چاند، اور ہم ایک ہیں، وغیرہ بڑی جاندار ہیں۔ ان کی خصوصیت یہی ہے کہ شاعر بچوں کی سطح پر اتر کر آسان الفاظ میں ان کے معیار کے مطابق تخلیق پیش کرتا ہے۔ الفاظ کا استعمال موزوں ہے جس میں ترنم کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ تاکہ نظموں کو موسیقی کے زیور سے آراستہ کیا جا سکے۔ بچے کی سب سے بڑی دلچسپی حرکت، کھیل، ناچ گانے سے ہوتی ہے شاعر اس بات سے واقف ہے اس لئے گیت اور گانے کا سہارا لے کر موزوں باتیں کہتا ہے: مثلاً:

صبح ہوئی، وہ چڑیاں چہکیں
سبزہ لہکا، کلیاں چہکیں
ناچ رہی ہیں پیاری کرنیں
جیسے صبح ہوئی ہے دل میں
جاگ رہی ہیں دل میں اُمنگیں
دُکھ نہیں باقی دُکھ کے جگ میں (صبح کا تہوار)

(۱) ڈاکٹر امام اعظم۔ "مظہر امام کی تخلیقات کا تنقیدی مطالعہ۔ ص ۱۴۶

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

آؤ کھلونے کھیلنے والو!
پھولوں کی مسکان میں آؤ
خوابوں کے دالان میں آؤ
شبدوں کی پہچان میں آؤ
بچوں کے ایمان میں آؤ

(آؤ کھلونے کھیلنے والو)

آسمان پر تھا چودھویں کا چاند
جگمگاتا ہوا سنہرا چاند
منہ میں کُتّے کے ایک روٹی تھی
نرم تھی، خوب رُوھی، موٹی تھی
اس کو کھاتا تھا گنگناتا تھا
زیرِ لب مسکراتا جاتا تھا

(روٹی اور چاند)

رشکِ جناں ہندوستاں
ہندو ہیں اس کے باغباں
مسلم، بہارِ گل فشاں
مہمل ہے فرق اِین و آں
ہم ایک ہیں، ہم ایک ہیں

(ہم ایک ہیں)

مظہر امام کے ہاں ''شریر غزل'' کے عنوان سے چند موزوں اشعار بھی ملتے ہیں۔ یہ اشعار غزل کے فارم میں ہیں لیکن ان میں اوّل سے آخر تک تسلسل پایا جاتا ہے۔ اس طرح

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

سے ان پر نظموں کا گمان ہوتا ہے لیکن اصل میں یہ بچوں کے لئے کہی گئی غزلیں ہیں جو قوالی کے روپ میں بھی گائی جاسکتی ہیں اور بچوں کی دُنیا میں دلچسپی پیدا کرسکتی ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم، مظہر امام کی شریر غزلوں کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ''شریر غزلیں'' عنوان کے اعتبار سے اور شعار کے نفس مضمون کے لحاظ سے بھی بچوں کے مزاج کی آئینہ داری کرتی ہیں، بچوں کے لئے لکھی ہوئی غزلوں کے لئے شاید اس سے بہتر عنوان ممکن نہ تھا۔ ان غزلوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ انہیں قوالی کے طور پر بھی گایا جاسکتا ہے'' (۱)

اس مختصر سے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ مظہر امام بچوں کی نفسیات پر نظر رکھے ہوئے محض نصیحتوں سے کام نہیں لیتے ہیں بلکہ ان کے دل میں ڈوب کر ان کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ وہ کبھی کبھی بچوں کی سطح پر ان کے ساتھ کھیلنے میں بھی مصروف نظر آتے ہیں۔ مظہر امام بچوں کی فطرت سے واقف ہیں۔ اس لئے ان کے دل میں محبت اور ہمدردی کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے وہ خود بچے بن جاتے ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے جس ہیت اور اسلوب کا استعمال کیا ہے وہ اپنی جگہ بے مثال ہے۔

●●●

(۱) ڈاکٹر امام اعظم۔ ''مظہری کی تخلیقات کا تنقیدی جائزہ''۔ ص ۱۴۷

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

سیفی سرونجی کی شعری کائنات

سیفی سرونجی کا نام محتاج تعارف نہیں، وہ ایک شاعر بھی ہیں اور افسانہ نگار بھی۔ انہیں تحقیق وتنقید سے بھی دلچسپی ہے اور وہ ایک انشائیہ نگار کے طور پر بھی جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ سیفی ''سرونج سے لندن تک'' کے نام سے ایک دلچسپ سفرنامہ بھی لکھ چکے ہیں جو سنجیدہ علمی وادبی حلقوں میں پسند کیا گیا۔ وہ کئی برس سے ''انتساب'' کے نام سے ایک معیاری سہ ماہی جریدہ بھی شائع کررہے ہیں جوان کی محنت لگن اور بے پناہ صلاحیت کا نتیجہ اس لئے بھی ہے کہ اس جریدے نے بہت ہی قلیل مدت میں اپنی ایک الگ شناخت قائم کی لیکن بنیادی طور پر وہ ایک شاعر ہیں اور شاعری میں ان کے گوناگوں رنگ جھلکتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں جس کی مثال ان کے دو شعری مجموعوں ''روشن الاؤ'' اور ''ایک لمحہ ایک خواب'' سے بھی ملتی ہے۔

لڑو تو خوب مگر یہ بھی حوصلہ رکھنا
پڑھا لکھا نہ ہو دشمن تو فاصلہ رکھنا

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

دُنیا کا درد میری نگاہوں میں بس گیا
زہریلا جیسے کوئی مجھے ناگ ڈس گیا
ہر جرم کی سزا تو ہے قانون میں مگر
زخمی کرے جو روح کو اس کی سزا نہیں
لکھے تھے جن پہ لفظ وفاؤں کے دوستوں
گم ہو گئیں کتابیں وہ کاغذ بھی پھٹ گئے

سیفی ایک الگ انداز کے شاعر ہیں۔اُنہیں نہ سفر کی فکر ہے اور نہ منزل کی پرواہ۔ وہ سفر کے شوق میں کبھی کبھی منزل بھی بھول جاتے ہیں اور رکنے کا نام بھی نہیں لیتے ہیں۔ انہوں نے کبھی تجارت میں بھی گھاٹے کا سودہ نہیں کیا۔ وہ اکثر ترازو کے دونوں پلڑے برابر رکھنے کے قائل ہیں۔ دراصل وہ کسی پر بھی ظلم ہوتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے ہیں بلکہ ہر ایک کو صاف ستھری زندگی گذارنے کی تلقین کرتے ہیں لیکن اس خودغرض دنیا میں ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں جو ظلم وتشدد کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں۔اسی لئے ایک جگہ ان باتوں کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں۔

یارو سفر کے شوق میں سب کچھ اجڑ گیا
منزل قریب آئی تو خود سے بچھڑ گیا
مجھ کو حیرت ہے کہ گھاٹا نہیں ہوتا تم کو
کس سے سیکھا ہے میاں تم نے تجارت کرنا
پھر کرنا آپ میرے گناہوں پر تبصرے
پہلے زمین پہ کوئی فرشتہ تو دیکھئے

سیفی کی شاعری میں عشقیہ شاعری کے نمونے بھی فراہم ہوتے ہیں۔ان کا عشق صاف ستھرا عشق ہے جس میں کسی قسم کی آلودگی نہیں ہے ان کا محبوب کبھی کبھی سنجیدگی اختیار کرتا ہے اور کبھی ان کے خوابوں میں آکر ان کو اور بھی بے چین کر دیتا ہے۔ ان کی عشقیہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

شاعری میں صبر، انتظار، آزمائش، بے چینی، عاجزی اور انکساری جیسے الفاظ خاص طور پر اہمیت رکھتے ہیں۔ عشق کے خارزار میں وہ عمر بھر بھٹکتے رہے اور دشوار گذر مرحلوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ کبھی کبھی ان کی روح زخموں کی تاب نہ لاکر چھلنی ہو جاتی ہے۔ اسی لئے وہ اپنے محبوب کے قدموں کی چاپ سے منزل پانے کی جستجو میں سرگرداں ہیں مثلاً

محبتوں میں غلط فہمیاں تو ہوتی ہیں
تم اپنے دل کا مگر صاف آئینہ رکھنا

ہر بات سے تری مجھے ایک زخم لگا ہے
قسطوں میں سہی آج میرا قتل ہوا ہے

ہر جرم کی سزا تو ہے قانون میں مگر
زخمی کرے جو روح کو اس کی سزا نہیں

تیرے علاوہ دوسرا ممکن نہیں کوئی
پہچانتا ہوں میں تجھے قدموں کی چاپ سے

سیفی ایک حساس اور دردمند شاعر ہیں۔ ان کے رگ رگ میں جذبۂ انسانیت کارفرما نظر آتی ہے۔ وہ مادی دنیا سے نفرت کرتے ہیں۔ انہیں سکوں اور صبر کی تلاش ہے۔ وہ بد عنوانیوں کو انسان کے ماتھے پر ایک بدنما داغ قرار دیتے ہیں۔ وہ اصول کے قائل ہیں اور زبان کو ہی اپنی کائنات سمجھتے ہیں۔ انہیں جنگ و جدل سے نفرت ہے، وہ شرافت ایمانداری اور انکساری کی قندیل جلاتے ہوئے پھرتے ہیں لیکن ان کے مطابق اس دنیا میں خلوص اور محبت نام کی کوئی قدر نہیں بلکہ اس کے برعکس انسان، انسان کا دشمن جان بن گیا ہے مکاری، خود غرضی، لالچ اور فریب کاری سے دنیا میں آلودگی پھیل گئی ہے۔ غیروں کی بات ہی نہیں انہیں اپنوں پر سے بھی بھروسہ اٹھ گیا ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں۔

اس نے ہی مجھ کو بیچ دیا لاکے شہر میں
مہمان تھا جس کا میں جو میرا میزبان تھا

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

کل چلے جائیں گے ہم دور کہیں بستی سے
ظلم اتنا نہ کرو دوستو بنجاروں پر
ناگ بن کر تمہیں ڈس لیں گی کسی دن یارو
تتلیاں راہ میں چلتے ہوئے پکڑا نہ کرو
ہم کو پانی نہ ترے گاؤں میں اک گھونٹ ملا
کر کے ہم سارے زمانے کا سفر آئے تھے
میں تو آیا ہوں فقط ہاتھ ملانے تم سے
زیب دیتا نہیں یارو تمہیں سازش کرنا

سیفی کی شاعری میں خود کلامی کا جذبہ ملتا ہے۔ وہ تنہائی میں بھی اپنے آپ سے محو گفتگو ہوتے ہیں اور کائنات کے تغیر و تبدیل کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ ان کی کشتی کبھی طوفان میں ڈگمگاتی نہیں بلکہ منزل کی جستجو میں کوشاں رہتی ہے لیکن ان کی قسمت ہی کچھ ایسی ہے کہ وہ اکثر اوقات منزل سے قریب ہوتے ہوئے بھی منزل سے دور ہو جاتے ہیں لیکن انہوں نے ہمیشہ اپنا سفر جاری رکھا۔ ان کی ہمت کبھی نہیں ٹوٹی۔ حالانکہ وہ زندگی کے تلخ تجربات سے گذر چکے ہیں۔ ان کی سادگی دیکھئے کہ جس شہر میں انہیں مہمان بنا کر لایا گیا تھا، اسی شہر میں ان کا سودا ہوا۔ اب وہ اتنے سخت جاں ہو گئے ہیں کہ نہ تو انہیں طوفان کا ڈر ہے اور نہ زلزلے کی پرواہ۔ اپنے اشعار میں ان تمام باتوں کی وضاحت کرتے ہیں ۔

اس نے ہی مجھ کو بیچ دیا لا کے شہر میں
مہمان تھا جس کا میں جو میرا میزبان تھا
طوفاں آئے شہر میں یا کوئی زلزلہ
مجھ کو کسی بھی بات کا اب ڈر نہیں رہا
رکھی تھی شرط کس لئے ہتھیار لے چلوں
جب قافلہ ہمارا اسے لوٹنا ہی تھا

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

سیفی کی شاعری میں نہ صرف حسن و عشق کی کارفرمائی ملتی ہے بلکہ ان کی شاعری میں بعض ایسے مسائل بھی زیر بحث آتے ہیں جن سے ایک نئی دنیا تعمیر ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ روایت سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔ ان میں روایتی شاعری کی پاسداری بھی ہے اور نئے تجربات کا احساس بھی۔ دیکھئے اپنے خیالات کیسے انوکھے انداز میں پیش کرتے ہیں مثلاً۔

سنا ہے علم بھی بڑھتا ہے بانٹنے سے مگر
بچا کے پھر بھی ہنر کوئی کام کا رکھنا
دل میں تو بہت کچھ ہے اُجاگر نہیں کہتے
ہم گھر کی کوئی بات ہو باہر نہیں کہتے
شاید کہ کسی موڑ پہ دے جائے وہ دھوکا
چہرے پہ کسی شخص کے لکھا نہیں رہتا
دشمنوں میں پڑاؤ رکھتے ہیں
کچھ تو اپنا بچاؤ رکھتے ہیں

ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ سیفی نئے شعراء کی صف میں منفرد مقام کے مالک ہیں۔ اگر وہ اسی طرح سے شعر کہتے رہے اور اپنے جذبات اور احساسات کو اپنے مخصوص رنگ و آہنگ میں پیش کرتے رہے تو عنقریب ہی وہ اپنا راستہ متعین کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

شیش نگر کی شاعرہ
ـــــ حمیدہ معین رضوی

حمیدہ معین رضوی اُردو شاعرات کی فہرست میں اپنا ایک الگ اور منفرد مقام رکھتی ہیں۔ وہ ایک باصلاحیت افسانہ نگار بھی ہیں اور تبصرے اور خاکے لکھنے میں بھی کمال رکھتی ہیں۔ ''شیش نگر'' اُن کا اوّلین شعری مجموعہ ہے جو 1998 میں مکتبہ ادبِ لطیف لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ اس میں حمیدہ کے گونا گوں تجربات ملتے ہیں۔ اور ان تجربات کے ذریعے سے ایک نئی اور انوکھی دُنیا سامنے آتی ہے۔ حمد، نعت اور دُعائیہ نظموں کے علاوہ اس مجموعے میں مختلف موضوعات پر لکھی گئی بے شمار نظمیں اور غزلیں ملتی ہیں۔ ان تمام چیزوں میں اُن کی تخلیقی اُپج کا پتہ چلتا ہے۔

حمیدہ آگرہ میں پیدا ہوئیں۔ سیالکوٹ میں عمر کا خاصہ حصہ گذارا، راولپنڈی اور اسلام آباد کے تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کی۔ 1967ء میں ایم اے کا امتحان امتیاز سے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

کامیاب کیا۔ فروری 1968ء میں شادی کے مقدس بندھن میں بندھ گئیں اور تب سے تاحال یعنی گذشتہ چالیس برس سے لندن میں مقیم ہیں۔ اپنی زندگی کا مختصر سا خاکہ یوں پیش کرتی ہیں:۔

''پیدائش میری آگرے کی ہے اور میں پلی بڑھی سیالکوٹ میں۔ عمر کا سب سے کم حصہ آگرہ لکھنؤ اور سب سے زیادہ حصہ لندن میں گذرا ہے۔ اپریل 2008ء سے چالیس سال برطانیہ میں اقامت پذیر ہوں۔ میرا نام شادی سے پہلے حمیدہ رضوی تھا۔ 1968ء کی فروری میں شادی ہوئی۔ اسی سال اپریل کے مہینے میں لندن آئی۔ اس کے بعد میں حمیدہ معین رضوی ہوگئی۔''

''شیش نگر'' کا سرآغاز حمیدہ معین رضوی نے اپنے پیش لفظ سے کیا ہے۔ جس میں اُنہوں نے خود اپنی زندگی کے بارے میں بھرپور روشنی ڈالی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے تجربات اور محرکات کی بڑی سنجیدگی سے وضاحت کی ہے۔ آغا سہیل نے حمیدہ کے اس شعری مجموعے کا مختصر دیباچہ تحریر کیا ہے۔ وہ حمیدہ کی شاعری میں ایک نیا اور منفرد رنگ محسوس کرتے ہیں۔ کثرت سے نظمیں اور غزلیں کہنے کی وجہ سے وہ حمیدہ کو زود گو شاعرہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اپنے دیباچہ میں ایک جگہ رقمطراز ہیں:۔

''اُردو کے افسانہ نگاروں میں حمیدہ رضوی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں کہ انہوں نے اپنا ایک منفرد اسلوب قائم کر کے اپنے قارئین کا قابل لحاظ حلقہ بنالیا جو اُن کے فن کو بخوبی جانتا اور پہچانتا بھی ہے اور مانتا بھی ہے لیکن ابھی چند سال کے عرصے سے وہ تخلیق شعر کی طرف متوجہ ہوئیں تو غزلوں اور نظموں کی صورت میں اشعار کے انبار لگا دیئے جو برصغیر کے معتبر اور مؤقر مجلوں میں بھی چھپتے رہے۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اس اقتباس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حمیدہ معین رضوی ایک پختہ مشق شاعرہ ہیں۔ وہ نظم اور غزل دونوں اصناف سخن پر طبع آزمائی کرتی ہیں اور اپنے دل کا درد صفحۂ قرطاس پر اُتارتی ہیں ''شیش نگر'' میں سب سے پہلے ''جلد الودید'' کے نام سے ایک نظم ملتی ہے جو آزاد نظم کے فارم میں ہے۔ اس نظم میں وہ کائنات میں رہنے بسنے والوں کی خوشی اور شادمانی کے لئے دعا کرتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نظم کا محرک کوئی نامعلوم شئے ہے جسے شاعر صدیوں سے تلاش کر رہی ہے۔ حمیدہ کے نزدیک یہ سارا نظام چلانے والا وہ ہے جس نے انسان کو نیک کام کرنے کیلئے دُنیا میں بھیجا ہے۔ اس لئے اگر وہ انسان اپنی طاقت کا غلط استعمال کرے تو اس کا انجام بہت برا ہوگا کیونکہ وہ ہر ایک کے دِل میں سمایا ہوا ہے۔

حمید معین رضوی نے وہ زمانہ دیکھا جو علمی و ادبی لحاظ سے نہایت ہی زرخیز زمانہ تھا۔ ایک طرف فیضؔ ،احمد ندیم قاسمی، قتیل شفائی، ناصر کاظمی، ابن انشا، سردار جعفری، اختر الایمان وغیرہ جیسے شعراء آسمان ادب پر چھائے ہوئے تھے اور دوسری طرف ساقی فاروقی، بشیر بدر، شہریار، ندا فاضلی، وزیر آغا، شہزاد احمد وغیرہ جیسے نئے زمانے کے رفتار پر چلنے والے شعراء منظر عام پر آچکے تھے اور تقویت پا رہے تھے۔ حمیدہ کی شاعری میں ان دونوں رجحانات کے اثرات بہ درجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ اُنہوں نے نہ تو روایات سے بغاوت کی اور نہ جدید رجحانات سے منہ موڑا بلکہ اُنہوں نے ایک الگ اور منفرد راہ اختیار کر کے بیچ کا راستہ نکال دیا اور اسی راستے پر گامزن ہوئیں۔ اُن کے ہاں فارسی شاعری رمزیت کا اثر بھی نظر آتا ہے اور عجمی تلمیحات کا بھی وہ حافظ اور سعدی جیسے شعرا کا مطالعہ بھی کر چکی ہیں۔ اور یہی کیا کم اہم ہے۔ خود ایک جگہ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

> ''فارسی غزل میں رعایت، رمزیت، اشاریت، کنایوں کے گوناگوں امکانات کا مجھے اچھی طرح اندازہ تھا۔ حافظ اور سعدی کے علاوہ منگولوں کے دور حکومت کے دوسرے شعرا نے جس طرح ان کا مثبت استعمال کیا، وہ بھی میرے سامنے رہا۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ حمیدہ معین رضوی کا مطالعہ گہرا ہے۔ وہ کلاسیکی ادب کے ساتھ ساتھ جدید ادب کے تقاضوں کو بھی اپنے اندر سما چکی ہیں۔ اور یہ سب ان کے والد مرحوم قاری سید قمر الحسن رضوی صاحب کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا۔ جنہوں نے اپنی بیٹی حمیدہ کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے ساتھ ساتھ تجوید القرآن اور حفظ قرآن کے زیور سے بھی شروع سے ہی آراستہ کیا تھا۔ جس کی طرف حمیدہ خود اپنے ایک شعر میں اشارہ کرتی ہیں۔ مثلاً

چند ٹوٹے ہوئے الفاظ میں عجز اظہار
مجھے بابا سے ملی ہے یہ وراثت سمجھو

یا

وہ زیر خاک جا سویا جو میرے
خیال و فکر کا رہبر رہا ہے

حمیدہ معین رضوی اُردو کے معروف اور عہد ساز شاعر فیض اور فیض سے متاثر ہیں۔ اُن کے ہاں اگرچہ علی سردار جعفری کی شاعری کے اثرات بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ کمار پاشی بھی اُن کے محبوب شاعروں میں ہیں۔ ان تمام شعراء کی شاعری کا مطالعہ کرنے سے اُن میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا۔ اُن کی چند نظموں کے اقتباسات ملاحظہ فرمایئے جن میں فیض کی شاعری کے اثرات بھی ہیں اور سردار جعفری اور کمار پاشی کی انقلابی، رومانی، فلسفیانہ اور عصر حاضر کے درد و کرب کی جھلکیاں صاف طور پر نظر آتی ہیں۔ مثلاً

محبت کی فراوانی سے دم گھٹ گھٹ کے رہتا ہے
اور اس قربت کی یک طرفہ تپش میں
لمس میں اس آگ کی۔ اک نما حیت ناگن بن کر سرسراتی ہے
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے!!!
بلا وہ آیا ہے مجھ کو شاید
بلا ارادہ میں پیچھے مڑ مڑ کے ایسی حسرت سے دیکھتی ہوں

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اثاثہ شاید مرا کوئی قیمتی تھا
جو رہ گیا سفر میں
نہیں نہیں یہ تو رخشِ دوراں تھا
چھین کر مجھ سے لے گیا ہے میرا اثاثہ
خیال کا ہاتھ تھامے اندھیرے سفر پہ جب بھی گئی ہوں اس جستجو میں (بلاوا)

پت جھڑ جب لوٹ کے آتی ہے
پیلے پتوں کو گراتی ہے
کچھ بچھڑی پرانی یادوں کو ـــــ دھیرے دھیرے سے جگاتی ہے
اک منظر سامنے آتا ہے ـــــ اک
ہرے بھرے شاداب درخت کے
ٹھنڈے سائے میں میری کچھ یادیں ہیں ـــــ ستاتی
میں وقت کے بہتے دریا کی لہروں پہ تیرتی جاتی ہوں
ہاتھوں میں میرے کچھ لمحے ہیں (آس کا جگنو)

خزاں کے پتوں کی دھیمی آہٹ میں
کیسی اک درد کی صدا ہے
کہ جیسے کوئی آہ بھر رہا
یہ نوحہ شاید بہار کا ہے
کہ جیسے محبوب چل بسا ہے
تو ٹوٹ کر دل بکھر گیا ہے
عجیب ہے دِل فگار منظر

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

کہ دور تک پھیلے زرد پتے جو نیچے قدموں کے
چرمراتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہہ رہے ہیں کراہ کر وہ
یہ کیسی ہے دستانِ ہستی (خزاں کی سرگوشی)

حمیدہ معین رضوی کی نظمیں اپنی فنی جا بکدستی اور لہجے کے تیکھے پن کی وجہ سے جانی اور پہچانی جاتی ہیں۔ اُن کی سب سے بڑی خوبی اُن کا خلوص اور برتاؤ کی ندرت میں پوشیدہ ہے۔ ایک لہر اُمید کی، وہ کون تھا، آس کا جگنو، تہی داماں، زنداں کے روزن سے، اپنے شہر میں اجنبی، دِل کی بات، ارسطو سے، سقوطِ ڈھاکہ پہ وغیرہ جیسی نظموں میں حمیدہ کے رنگا رنگ تجربات جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ان نظموں میں جس طرح سے انسانی زندگی کے درد وکرب کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ قابلِ مطالعہ ہے۔ حمیدہ فلسفانہ انداز سے زندگی کو جانچنے پرکھنے اور برتنے کے قائل ہیں۔ اُن کی طنزیہ لب ولہجہ بھی اُن کی نظموں کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ ڈرامائیت اور خود کلامی کا جذبہ بھی ان نظموں میں جگہ جگہ عیاں ہے۔ حمیدہ گن گرج کی شاعری پسند نہیں کرتیں بلکہ اُن کے ہاں پہاڑی ندی کی ہلکی ہلکی موسیقی سنائی دیتی ہے۔ جو ایک الگ طرح کا تاثر پیش کرتی ہے۔ وہ ایک حساس اور دردمند شاعرہ ہیں جن کی نظموں میں فضا سازی بھی ہے اور خود کلامی کا جذبہ بھی، تفکر بھی ہے اور تسلسل بھی ـــــ عورت حمیدہ کی نظموں کا مرکزی نقطہ رکھتی ہے۔ عورت کے محسوسات، اُس کی زندگی سے بیگانگی۔ اُس کی خوشی اور غم کے ملے جلے تاثرات، اُس کی محرومی اور مایوسی، اور اُس کی جدوجہد حمیدہ کا موضوع خاص رہا ہے۔ اپنے اس محبوب تصور کے بارے میں رقمطراز ہیں:۔

> ''عورت کی شاعری میں بھی مایوسیاں، محرومیوں کے لئے نئے استعارے، نئے تلازمے، نئی علامات، نئے پیرئیے، کنائے ہوسکتے ہیں۔ خواہ بظاہر وہ غم وصال نظر آئے۔ زندگی کی شخصیت کے اظہار کا تو نام ہے۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ حمیدہ عورت کا ایک خاص تصور رکھتی ہیں۔ شیش نگر کا انتساب دیکھئے جس میں اُنہوں نے عورت کی پوری پوری نمایندگی کی ہے ملاحظہ کیجئے:۔

''ان تمام خواتین کے نام جو حق کے اظہار صاف گوئی
اور فکری آزادی کو زمرد کے گلوبند قربان کرسکتی ہیں''

اُن کی چند نظموں کے اقتباسات پیش خدمت ہیں جن میں عورت کے مسائل اُبھارے گئے ہیں اور اُس کی محنت لگن اور جذبہ ایثار کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔

تنہا عورت اور ایک بچہ
تمام دُنیا کو یکتا عورت و یکتا بچہ
جیسے کہ خالق نے چن لیا
تھکن سے تھی چور خستہ جہاں تھی

وہ جو مشینی دور کے پرور ذلت کوشی کے دلدادہ انسان کشی
پر آمادہ مرد اور عورت کا وہ بچہ ہے۔
جو اس دُنیا میں بے گھر بے خواہش اور بے چاہت کے آدھمکا ہے۔

کہا تھا یہ ارسطو نے عقل عورت کی ناقص ہے
کہا اس پہ یقین عورت نے اور سوچا
کہ ناقص شئے کو پھر ہم کس لئے اب کام میں لائیں
نہیں یہ سوچنے کی اس کو مہلت دی زمانے نے
کہ اس میں ہے حقیقت کیا؟ (ارسطو سے)

حمیدہ معین رضوی کی غزلیں بھی اُن کے مخصوص انداز اور رویئے سے پہچانی جاتی ہیں۔ ان میں وہی شدت اور تاثیر ملتی ہے جو ان کی نظموں کا حاصل ہے۔ اُن کی غزلوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مشاہدہ وسیع ہے۔ وہ اپنے ذاتی تجربات

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

دیانتداری کے ساتھ پیش کرنے کے روادا ہیں اور یہی سچائی اور دیانتداری ان کے فن کو تازگی اور توانائی عطا کرتی ہے۔ مثلاً

صحرا میں گلابوں کو اُگانے کی تمنا
یہ خواب انوکھا سامرے پیش نظر تھا

پیلے پتے اڑتے ہیں
اُجڑا خزاں کا منظر ہے

یوں ٹوٹ کے بکھرے ہیں میرے خواب فضا میں
بکھری ہوئی اس ذلت کا ذرہ نہیں ملتا

آؤ بیٹھیں بنام چارہ دِل
چند لمحے سجالیں یہ محفل

منزلیں دھول میں تھیں بس تھے نشاں قدموں کے
شوق دیدار لئے آبلہ پاہم بھی چلے

کوئی تو چارہ گری کرنے آئے گا اک دِن
اسی اُمید پہ ہرزخم دِل کھلا رکھو

چاند ڈوباتو ہم بھی سونے لگے
ختم کیا کرتے داستاں تھی دراز

حمیدہ کی غزلوں میں عشق انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لئے جمالیاتی آسودگی کے لئے ان کے تمام شعری تجربے اہم بن جاتے ہیں۔ ان کی غزلوں سے انسان کے باطنی کرب کا بھرپور احساس ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ ہر اس تصور کو جمالیاتی نقطۂ نظر سے جانچنے اور پرکھنے کے قائل ہیں جو اُن کو متاثر کرتے ہیں۔ اُن کی غزلوں میں اضطراب، وحشت، صحرا، دشت، آرزو، سایہ، سراب وغیرہ جیسے الفاظ بار بار دیکھنے میں آتے ہیں۔ ان الفاظ سے ان کی غزلوں میں ایک خاص قسم کی وارفتگی پیدا ہوگئی ہے۔ عورت ان کا خاص محور فکر رہی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہے۔ وہ عورت کو بلند درجہ عطا کرتی ہیں۔ عورت ان کے لئے ماں بھی ہے اور بیٹی بھی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جدید دور کی خواتین کی فکری کاوشوں اور تخلیقی رویوں کو سمجھنے کے لئے نقادوں کی نئی ذہنی تربیت حاصل کرتی ہوگی۔ نئے ادبی پیمانے اور سانچے وضع کرنے ہوں گے۔ چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں:۔

اُن کو عورت کی ذہانت سے ہے خوف
کمتری کی جس نے ایسا کردیا
جب کبھی پندار پہ پتھر پڑا
ماں کا چہرہ پھول سا یاد آگیا
لڑکیاں جو کتاب لکھ رہی ہیں
زندگی کے عذاب لکھ رہی ہیں
عورت کے نصیبوں میں جو راہ ہے خارا ہے
شہرت کی تگ ودو نے بے موت بھی مارا ہے

حمیدہ عصری تقاضوں کا بھرپور ادراک رکھتی ہیں۔ وہ اپنے تجربوں کو شعری پیکر عطا کرنے کے قائل ہیں۔ اُن کا ذہن کشادہ ہے۔ اسی لئے اُن کی شاعری انسان کے ذاتی مشاہدات اور تجربات کی شاعری ہے اُن کی زبان آسان اور سلجھی ہوئی ہے۔ وہ اُردو ہندی فارسی اور عربی۔ ان تمام زبانوں کے الفاظ استعمال کرتی ہیں اور اپنی شاعری کو فکر کی جولانی عطا کرتی ہیں۔ وہ ایک حقیقت پسند شاعرہ ہیں اور حقائق کو صفحہ قرطاس پر لانے سے ہرگز گریز نہیں کرتیں۔ اور یہی کیا کم اہم ہے۔

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

مظفر ایرج دِل کتاب کے آئینے میں

مظفر ایرج عصر حاضر کے ایک نمائندہ شاعر ہیں۔ وہ ۱۹۷۰ء کے بعد اُبھرنے والے شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے انفرادی لہجے سے نئی اُردو شاعری کو ایک نئی سمت عطا کی اور اپنا ایک الگ اور انفرادی راستہ تراش لیا۔ اسی راستے پر گامزن ہوکر وہ اپنی منزل کی طرف رواں ہیں۔ مظفر ایرج، حکیم منظور سے کافی متاثر ہیں۔ اُنہوں نے غالب، اقبال، جگر، فراق، فیض کا بخوبی مطالعہ کیا ہے اور نئے شعراء میں خلیل الرحمٰن اعظمی، وزیر آغا، شہریار، باقی اور راج نرائن راز کے اثرات بھی قبول کئے ہیں اسی لئے ان کی شاعری میں کلاسیکی اور جدید اُردو شاعری کا سنگم نظر آتا ہے۔

ایرج کے اب تک ابجد انکسار اور ثبات کے نام سے تین شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں ''دِل کتاب'' اُن کی شاعری کا چوتھا پڑاؤ ہے۔ جو ۲۰۰۷ء میں منظر عام پر آ گیا۔ اس مجموعے میں محمد باری تعالیٰ نعتِ رسولؐ، شبِ معراج، منقبت اور غزلیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں ان کے چند قطعات بھی نظر آتے ہیں۔ اس طرح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ایرج نہ صرف غزل کہنے میں کمال رکھتے ہیں بلکہ وہ دوسری اصناف سخن پر بھی پوری دسترس رکھتے ہیں۔لیکن غزل ان کی محبوب صنف ہے اور اسی صنف سخن میں ان کی انفرادیت جھلکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔دِل کتاب کا آغاز وہ علامہ اقبال کے اس شعر سے کرتے ہیں:۔

رنگ ہو یا خشت وسنگ، چنگ ہو یا حرف وصوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

''ابجد'' سے ''دل کتاب'' تک ایرج نے ایک لمبا شعری سفر طے کیا ہے۔اس سفر میں اُنہیں زندگی کے مختلف حالات وحادثات سے گذرنا پڑا۔اس سفر میں اُنہوں نے جو تجربات حاصل کئے ''دِل کتاب'' اُن کے انہی تجربات کا نتیجہ ہے۔

ایرج نے حمدِ باری تعالیٰ، نعت رسولؐ، شبِ معراج اور منقبت کہنے میں بھی اپنی شاعرانہ انفرادیت برقرار رکھی ہے۔وہ خدا کے حضور میں سربہ سجود ہوجاتے ہیں دُعائیں مانگتے ہیں اور رب کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔عاجزی، انکساری، خدمتِ خلق اللہ ان کے رگ وریشے میں سمائے ہیں۔ان کی اللہ ہُو کی تخلیق بھی منفرد انداز کی ہے۔کبھی اُنہیں آسمان چہارم پہ جبرئیل نظر آتا ہے اور کبھی وہ ان کے خاکِ پا پر جان نچھاور کرنے کی تمنا کرتے ہیں۔چنانچہ اپنے خیالات کو شعر کے قالب میں یوں ڈھالتے ہیں:۔

لبِ ساحل بھی ڈبوتا ہے سفینے لیکن
میری کشتی کو وہیں پار لگا دیتا ہے
آپؐ کے آگے کاسہ کشائی میری عبادت اللہ ہُو
مجھ کو ذرا سی دیجئے آقا اپنی محبت اللہ ہُو
ہم کو دولت نہ شہرت نہ گھر چاہئے
اپنے در کا گدا گر بنالیجئے
کربلا میں حق کے جھنڈے گاڑ کر
لے کے آئے انقلاب ابن علیؑ

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

مظفر ایرج بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ اس صنفِ سخن میں اُنہوں نے اپنے گوناگوں خیالات، جذبات، حادثات اور تجربات کو سمونے کی کوشش کی ہے۔ اُنہیں الفاظ کے دروبست پر دسترس ہے۔ اسی لئے اُن کی غزلوں میں تازگی اور توانائی پائی جاتی ہے۔ تراکیب اور تشبیہات کی ندرت نے اُن کی غزلوں میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے اُنہیں عصر حاضر کے شعراء میں منفرد مقام حاصل ہے۔ ڈاکٹر ارشد عبدالحمید، ایرج کو اُردو کے اہم شعرا میں شمار کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

''مظفر ایرج کی غزلوں میں تازگی ہے۔ تراکیب اور تشبیہات کی ندرت دیکھتے ہی بنتی ہے۔ مظفر ایرج ہمارے دور کے اہم شاعر ہیں۔''

پروفیسر رشید حسن خان کا خیال ہے کہ

''اچھی شاعری فکر، خیال، جذبے، احساس اور ندرت بیان کی طلبگار ہوتی ہے۔ جو شخص ایسے شعر کہہ سکتا ہو، اُسے شعر ضرور کہنا چاہئے۔

ویرانہ کوئی، کوئی کھنڈر بھی نہیں باقی
اب ٹوٹ کے رونے کیلئے کنج نہ سایہ''

ڈاکٹر رونق نعیم:۔

''مظفر ایرج کے جہان شعر سے سرسر گذرنا اہل نظر کا کام نہیں کیونکہ فکر وفن کی ندرت قاری کو اس میں ڈوب کر پار نکل جانے کی دعوت دیتی ہے مظفر ایرج گنے چنے شعراء میں منفرد اور ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔''

خالد عبادی:۔

''مظفر ایرج سنجیدہ ادبی حلقوں کو اپنی جانب متوجہ کر چکے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

ہیں کیونکہ ان کے یہاں شاعری بے کاری کا مشغلہ بننے کے
بجائے یک کارآمد وقوعہ بن کر سامنے آتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ
ذیلی راستوں سے نکل کر اپنی منزل خود تلاش کرنے میں
کامیاب ہوئے۔''

ڈاکٹر روف خیر:۔

مظفر ایرج کی شاعری میں بے شمار خوبصورت تراکیب ملتی ہیں۔ جن سے ان کی تخلیقی جہت بولتی ہے۔

ایرج کی غزل اس دور کی غزل ہے۔ اس میں اُنہوں نے نہ طلسماتی فضا قائم کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ مافوالفطری عناصر سے کام لیا ہے، نہ وہ جذبات کی رو میں بہتے ہوئے نظر آتے ہیں اور نہ چپکے سے آنسو بہانے کا سوانگ رچاتے ہیں۔ ان کے تجربات خود اُن کے ذاتی واردات سے ماخوذ ہیں۔ ان میں فرضی دُنیا نظر نہیں آتی بلکہ وہ زندگی کے درد و کرب کو زبان دے کر پیش کرنے کے روادار ہیں۔ اُن کے ہاں اساطیری کردار نئے ماحول میں ڈھل کر سامنے آتے ہیں۔ حکیم منظور ایرج کی غزل کو انفرادی لب و لہجے کی غزل کہتے ہیں۔ وہ ایرج کے فن پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''مظفر ایرج کے فن کی اساس وہ فکر ہے جو اس نے اپنے
ماضی میں پیش آنے والے واقعات و حادثات سے اخذ کی ہے۔
نیز مذہب کے تئیں اس کا میلان اس میں مزید رنگ و آہنگ پیدا
کرتا ہے۔ اس شاعری میں اساطیری کردار سازی کے ساتھ
ساتھ دُنیاوی عمل و فعل میں بے حد ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔''

مظفر ایرج کے خیالات تجربات میں ڈھل کر فکر کے نئے دروازے وا کرتے ہیں۔ اسی لئے وہ سنجیدہ ادبی حلقوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ان کی غزل محسوس کرنے والی چیز ہے۔ جس میں لطیف جذبے کا بھرپور احساس ہوتا ہے۔ مثلاً

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

مجھ کو سمندروں میں سمانے سے بیر تھا
قطرے سے جان بوجھ کر دریا کیا مجھے

ان پر بھائی بھروسہ کرنا ہی بیکار
دھوکا دینے والے دیتے ہیں دھوکا

تم جہاں سے بھی چاہو پڑھ ڈالو
میرا چہرہ کتاب ہے لوگو

منظر منظر دِن منظر افسردہ ہے
شام ڈھلے ہی عشق پرندہ اڑتا ہے

جانے کس کس شہر میں بکھری ہوں
اپنی قدروں میں اپنا فردا ڈھونڈ

سورج ہو کہ ہو چاند اکیلا نہیں لگتا
جو کچھ بھی نظر آتا ہے اپنا نہیں لگتا

زندگی آخری ٹھکانے پر
قابل اعتبار ہے شاید

زندگی نقشِ آب ہے لوگو
بلبلہ ہے سراب ہے لوگو

ایرج نئی غزل کے گیسو سنوارنے میں پیش پیش ہیں اُنہیں الفاظ کی قدر و قیمت کا بھرپور احساس ہے۔ وہ سچے تُلے انداز میں بات کہنے کا انداز رکھتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ الفاظ کو صحیح طریقے سے مناسب جگہ پر استعمال کرنے کا شعور ہو تو شعر میں مضمون آفرینی خود بہ خود پیدا ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکیم منظور ایرج کی شاعری پر رائے زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مظفر ایرج کو جو زبان عطا ہوئی ہے۔ اس نے اس شاعری کو ایک نئی علامت کے ساتھ منصۂ شہود پر ظاہر کیا ہے اور ایرج کو لفظ کی چیرہ دستی سے نجات دلائی ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اگر یہ کہا جائے کہ لفظ ایرج کے خیال کا ہمزاد ہے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ گھڑیالی، سمندر، سایہ، پتھر، آگ، دریا، شہر، کھڑکی، آئینہ، عکس، روشنی، چاند، پھول، خوشبو، پیکر، منظر، سر، خنجر، صحرا، دھوپ، سراب جیسے الفاظ وعلائم ایرج کی شاعری میں کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان سے جو پیکر اُبھرتے ہیں ان میں ایک عجیب طرح کی کشمکش کا احساس ہوتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں:۔

گھر کی دہلیز پر جلانا چراغ
درسِ ایرج کا باب ہے لوگو

میں اس شہر میں آیا تھا بیگانہ تھا
مجھ کو کبھی تم اپنانے کی بات کرو

یوں بھٹکتا ہے جنگلوں میں کیوں
تیرے دِل میں ہے گھر خدا کا ڈھونڈ

اب دور تک مجھ کو نظر آتی نہیں دھوپ
وہ چاند زمین میں یاد دلانے نہیں آیا

توڑ دی زنجیر رشتہ داری کی پرائے شہر میں
بات صدیوں کی نہ لمحوں کی پرائے شہر میں

مظفر ایرج ایک ایسے شاعر ہیں جن کا فن جوانی کی سرحد پار کر کے بھی جوان لگتا ہے۔ وہ شاعری کے لئے شعر کہتے ہیں۔ اُن کے ہاں کوئی بناوٹ نہیں بلکہ وہ سچے دل سے فن کی خدمت کرنا اپنا شعار سمجھتے ہیں۔ ایرج نئے اور جدید رنگ کے ساتھ ساتھ کلاسیکی رچاؤ کا بھی بخوبی احساس رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں دیومالائی اور اساطیری کردار سازی کے ساتھ ساتھ جیتی جاگتی دُنیا کی تصویریں بھی اُبھر کر سامنے آئی ہیں۔ تشبیہات واستعارات کی تازہ کاری اور علائم وتراکیب کی حسن کاری سے اُن کی غزل میں ایک عجیب طرح کی گداختگی کا احساس ہوتا ہے۔ جو تفکر کے ان گنت دروازے وا کرتا ہے۔ اور یہی ان کی غزل کی کامیابی کا ضامن ہے۔ مثلاً

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

جاتا ہوں بہت پیاس بجھانے کے بہانے
پنگھٹ پہ پھر آجائیگی رادھا نہیں لگتا
جس شہر میں بدھ ہو نہ ہو برگد نہ ہی ایرج
اس شہر کے دِل میں ہو اُجالا نہیں لگتا
ست یگ میں رام جی بھی پرکھشا میں پڑ گئے
سیتا ہرن ہوا تو چھپائی نہ دل کتاب
میں بھول جاؤں گا اس کو لکھا ہے جیوتش میں
یہ آدھا سچ بھی لگا ہے اگر مگر جیسا

''دِل کتاب'' مظفر ایرج کا خوشنما اور دِل کی اتھاہ گہرائیوں میں اُتر جانے والی غزلوں، نعتیہ، نظموں اور قطعات کا مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ ۱۵۷ صفحات پر پھیلا ہوا خوبصورت گلدستہ ہے ڈسٹ کور دیدہ زیب اور اس کی قیمت تین سو روپے ہیں جو اس گراں بازاری کے دور میں مناسب ہے۔

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اُردو شاعری میں طنز و ظرافت

اردو شعر و ادب کا دامن طنز و ظرافت کی دولت سے مالال ہے۔ ابتدا میں یہ ایک انداز سخن کے طور پر سامنے آئی لیکن بیسویں صدی میں اس نے ہمارے ادب میں ایک مستقل جگہ بنانی شروع کر دی اور جلد ہی یہ ایک الگ صنف سخن کے طو پر جانی اور پہچانی جانے لگی۔ آگے چل کر اس کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا کہ اردو شعراء نے اپنی فکر کی تازہ کاری سے اس صنف سخن کو نئی وسعتوں سے ہم کنار کیا۔

''ظرافت''، یعنی خوش طبع 'ٹھٹھول، ہنسی، تمسخر، بذلہ سنج، لطیفہ گو اور ٹھٹھے باز کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ لیکن یہ بات مصدقہ ہے کہ طنز و ظرافت صرف تفریح کا سامان بہم پہنچاتی ہے کسی پر وار کرنا یا کسی کو خواہ مخواہ صدمہ پہنچانا اس کا مقصد نہیں بلکہ اس میں تعمیری پہلو مضمر ہوتے ہیں۔ طنز و ظرافت سے ہر وقت سماجی اصلاح کا کام انجام دیا ہے۔ اس نے سماج میں چھپے ہوئے ناسور پر سے نقاب اٹھایا ہے اور اس کی خامیوں اور کوتاہوں کو سامنے لایا ہے۔ معروف ادیب اور طنز نگار، پروفیسر رشید احمد صدیقی طنز اور ظرافت کو ایک

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

دوسرے کا لازم ملزوم قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق ہر اچھی ظرافت ایک قسم کی خوشگوار طنز ہوتی ہے اور ہر خوشگوار طنز خود ایک لطیف ظرافت ہے۔

اردو شاعری میں طنز و ظرافت کا آغاز کب ہوا؟ یہ کہنا مشکل ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ظرافت شروع سے ہی انسان کی فطرت میں داخل تھی۔ اس طرح سے اگر یہ کہا جائے کہ شروع سے ہی اردو شاعری میں یہ عنصر داخل تھا تو بے جا نہیں ہوگا۔ البتہ مرزا محمد رفیع سودا سب سے پہلے شاعر ہیں جن کے ہجووں میں طنز و ظرافت کے بے شمار نمونے فراہم ہوتے ہیں۔ سودا، یوں تو قصیدہ گو شاعر تھے لیکن انہوں نے قصیدہ گوئی کے ساتھ ساتھ غزلیں ہجویں اور شہر آشوب بھی لکھے۔ جن میں فلسفانہ موشگافیوں اور تصوف کے ساتھ ساتھ طنز و ظرافت کے بے شمار نمونے فراہم ہوتے ہیں۔ محمد حسین آزاد نے سودا کے ہجویات کو ''زہر کے قطرے'' سے تعبیر کیا ہے۔ فولاد خان، ضابطہ خان اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ پر ان کے ہجویات بے حد دلچسپ اور قابل مطالعہ ہیں۔

سودا کے ساتھ ساتھ انشا اور مصحفی کا نام بھی آتا ہے جنہوں نے طنز و ظرافت کے تیر بڑے انوکھے انداز سے برسائے ہیں۔ ان کا یہ انداز کبھی کبھی جارحانہ بھی ہوتا ہے لہٰذا دیرپا اثرات چھوڑنے سے قاصر ہے۔

اردو شعر و ادب میں غالب کی شخصیت مسلم ہے۔ وہ طنز و ظرافت کے میدان میں بھی اپنی ایک الگ شناخت رکھتے ہیں۔ ظرافت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حالی نے انہیں حیوان ظریف لکھا ہے۔ غالب کے خطوط میں ظرافت کی پاکیزہ اور ستھری مثالیں ملتی ہیں۔ ان کی شاعری میں بھی یہ خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ وہ مایوس اور روتی ہوئی دنیا کی فضا مسکراہٹ میں تبدیل کرنے کا ایک خاص ملکہ رکھتے ہیں۔ مرزا غالب انسان کے بہترین نباض تھے۔ انہوں نے جس طرح سے طنز و ظرافت کے سرچشمے بلند کئے ہیں اس میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ غالب کے طنز میں جو شوخی اور شگفتگی ملتی ہے۔ وہ انہیں طنز و ظرافت کے بے تاج بادشاہ بنا دیتی ہے۔ ان کے چند اشعار ملاحظہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہوں۔جن میں طنز بھی ہے اور ظرافت بھی۔

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

نظیر اکبر آبادی کی شاعری کا ایک خاصا حصہ ظریفانہ رنگ پر مشتمل ہے۔نظیر کو عوام سے زبردست رابطہ تھا۔وہ ان کی خوشیوں اور غموں میں اکثر شریک رہتے تھے لہٰذا ان کو عوام کی صحیح نفسیات کا بخوبی اندازہ تھا۔فطرت انسان کے مشاہدے نے ان میں ظرافت کا ایک الگ رنگ پیدا کیا۔ان کی نظمیں پیسہ اور آدمی، مفلسی اور فلسفہ اور خوشامد کرے وغیرہ میں ظرافت کی چاشنی اپنے پورے شدومد کے ساتھ ابھرتی ہے۔

علامہ اقبال کا ظریفانہ کلام بھی داد دینے کے لائق ہے۔انہوں نے اپنے اس طرز کے کلام میں اکثر طنزیہ پرائیہ اختیار کیا ہے۔وہ بھی سماج میں پھیلی ہوئی بدعتوں کا قلع قمع کرنے کے حق میں ہیں اور انسان کو حقیقی معنوں میں انسان دیکھنے کے متمنی ہیں۔مثلاً کہتے ہیں ۔

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت
بنائے خوب آزادی کے پھندے
میاں بخار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں پورب کے رندے

اردو ادب میں طنز و ظرافت کی ترقی و فروغ میں منشی سجاد حسین کی ادارت میں شائع ہونے والے اخبار اودھ پنچ کے رول کو کسی بھی صورت میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ۱۸۷۷ء میں انہوں نے یہ اخبار نکال کر اردو ادب پر ایک بڑا احسان کیا۔یہ نہ صرف ایک

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اخبار تھا بلکہ ایک تحریک بھی تھی، جس نے سارے ادب کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ ''اودھ پنچ'' ایک ظریفانہ اخبار تھا۔ اپنی آزادانہ پالیسی سے یہ اخبار بہت جلد مقبول عام ہوا۔ اس اخبار میں چھپی ہوئی تحریروں سے اُردو مزاح نگاری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا اور اسے ایک مستقل فن بنا دیا گیا۔ اس کے لکھنے والوں میں سجاد حسین کے علاوہ مرزا مچھو بیگ ستم ظرف، تربھون ناتھ ہجر، جوالا پرشاد برق، اکبرالہ آبادی، سید محمد آزاد، احمد علی شوق وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان قلمکاروں نے اردو طنز و ظرافت کے میدان میں نئے گل بوٹے کھلائے اخبار ''اودھ پنچ'' کے ساتھ ساتھ اگر ''اودھ اخبار'' کا ذکر نہ کیا جائے تو سراسر ناانصافی ہوگی۔ یہ اخبار ۱۸۷۷ء میں ہی ''فسانہ آزاد'' کے مصنف پنڈت رتن ناتھ سرشار کی ادارت میں شائع ہوا۔ اس اخبار نے بھی طنز و ظرافت کو فروغ دینے میں اہم رول ادا کیا۔

اکبرالہ آبادی اپنے دور کے ایک اہم شاعر تھے وہ سماج اور حکومت کے بڑے نقاد تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے میں اپنے طنزیہ اور ظریفانہ کلام سے سماجی ٹھیکہ داروں، رشوت خوروں اور لیڈروں کے در و بام ہلا کے رکھ دیئے۔ ان کی ہر بات میں مذاق اور ظرافت کا پہلو نمایاں تھا۔ اکبر کا کمال تھا کہ وہ واقعات حاضرہ اور مغربی تہذیب پر زبردست نکتہ چینی کرتے تھے۔ ان کے ہاں ظرافت اور شوخی پائی جاتی ہے اور اس پر اخلاقی، روحانی، فلسفانہ اور سیاسی رنگ بھی ان کے کلام میں جا بجا ملتا ہے۔ ان کے چند شعر ملاحظہ کیجئے۔ جن میں طنز و ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ کہتے ہیں ۔

مرعوب ہوگئے ہیں ولایت سے شیخ جی
اب صرف منع کرتے ہیں دیسی شراب کو
پیارا ہے ہم کو شیخ ہمارا بُرا سہی
چاقو ولایتی نہیں دیسی چُھرا سہی
باپو کہنے لگے بجٹ پر لڑو
ملک کو دیکھو اپنے حق پہ اڑو

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

کہہ دیا صاف ہم نے اے مہراج
ہو مبارک تمہیں یہ کام یہ کاج
کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو
جب توپ مقابل ہے تو اخبار نکالو

اکبر کے بعد جن شعراء نے اس میدان کو فروغ دیا۔ ان میں ظریف لکھنوی، سید محمد جعفری، ابن انشاء راجہ مہدی علی خان، دلا روفگار، بلبل کاشمری، قاضی غلام محمد وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔

راجہ مہدی علی خاں موجودہ دور کے طنز نگاروں میں ایک قابل قدر مقام رکھتے ہیں۔ ان کے طنز میں ایک خاص قسم کا چٹخارہ ہے۔ انہوں نے بے شمار سماجی، سیاسی اور معاشی پہلوؤں پر قلم اٹھایا ہے۔ مثلاً ان کی نظم مہمان کے چند مصرعے ملاحظہ کیجئے۔ اس نظم میں دیکھئے انہوں نے کیسے بات میں سے بات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

بن کے آیا ہوں میں مہمان نہیں جاؤں گا
سب کو محردوں گا پریشان نہیں جاؤں گا
صرف اک چائے کی پیالی پہ نہ ٹالو مجھ کو
پک رہے ہیں ابھی پکوان نہیں جاؤں گا
بیٹھ کر چین سے پھونکوں گا تمہارے سگریٹ
کھاکے دو پیسے کا اک پان نہیں جاؤں گا
ذبح ہوتی ہوئی مرغی کی صدا آتی ہے
گھر میں دعوت کا ہے سامان نہیں جاؤں گا

دیکھئے خاندانی منصوبہ بندی پر دور حاضر کے شاعر دلا ورفگار کیا کہتے ہیں۔

ہند میں بچوں کی کھیتی ہورہی ہے آج کل
ماہر تخلیق ہے اس ملک کا ہر نیشنل

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

مختلف رہرو ہیں لیکن ایک ہے راہ عمل
کوئی سنگل بچہ پیدا کرتا ہے کوئی ڈبل
چونکہ اپنے ملک کی مٹی بہت زرخیر ہے
اس لئے رفتار پیدائش بھی کافی تیز ہے

بلبل کاشمری کی شاعری بھی قابل مطالعہ ہے۔ ان کے مزاحیہ نظموں کا مجموعہ ''خنداں گل'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ بقول یوسف ناظم، بلبل عصر حاضر کے اکبرالہ آبادی ہیں۔ ان کی نظموں میں ظرافت کا پہلو نمایاں طور پر ملتا ہے۔ وہ کبھی سوسائٹی پر طنز کرتے ہیں اور کبھی حکومت کو طنز کا نشانہ بنا دیتے ہیں۔ بلبل کی شاعری میں ایک خاص قسم کا رنگ و آہنگ پایا جاتا ہے۔ جو ان کا اپنا اور انفرادی رنگ ہے۔ ان کی نظمیں ''لندن کی رات ہو'' یا ''ڈالر مر رہا ہے'' ولایتی دھوپ ہو یا بس میں' ان تمام نظموں میں طنز کے ساتھ ساتھ ظرافت کا عنصر بہ درجہ اتم پایا جاتا ہے، مثلاً ان کی نظم ''بس میں دیکھئے'' کہتے ہیں۔

اک اک سیٹ پہ دس دس بس میں
اک دنیا ہے بے بس بس میں
گھر کا سامان سر پر رکھ کر
تیلی دھوبی ہر کس بس میں
تھری ٹن لاری سوٹن بھاری
توبہ توبہ بس بس بس میں
میرے گھٹنے سب کا بستر
کیوں نہ نکلے بھر کس بس میں

بس ہے یا اک چڑیا گھر ہے
مرغے چوزے سارس بس میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

فو نیٹن پین اور بٹوہ غائب
لٹ گیا ہے ہے تھامس بس میں
بلبل کو اے یارو دیکھو
زندہ آیا واپس بس میں

عصر حاضر میں طنز وظرافت کے میدان میں جو شعراء اپنی گراں قدر تخلیقات سے فروغ دے رہے ہیں ان میں رضا نقوی واہی، جون ایلیا، قاضی غلام محمد، ضمیر جعفری وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ طنز وظرافت کے میدان میں اتنی ترقی ہونے کے باوجود بھی ابھی کافی گنجائش باقی ہے۔ لیکن یہ بات باعث طمانیت ہے کہ ہمارے قلمکار اس صنف کو ترقی وترویج دینے میں پیش پیش ہیں۔ اگر اس صنف کے تئیں ان کا یہی ردعمل رہا تو وہ دن دور نہیں جب یہ صنف ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے آگے بڑھے گی۔

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اُردو طنز و مزاح کا اہم نام
ــــــ پطرس بخاری

معروف صحافی اور ادیب محمد طفیل پطرس بخاری کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"پطرس نے جب بھی لکھا، لفظوں کے تاج محل بنائے۔ پطرس کو جب بھی کسی دوست نے پکارا، لبیک کی آواز آئی۔ پطرس جس بھی راہ سے گذرے اپنے نقش چھوڑ گئے، اپنے جھنڈے گاڑ گئے۔"

پطرس بخاری اُردو طنز و مزاح کے میدان میں ایک خاص انفرادیت رکھتے ہیں۔ وہ انسانی زندگی کا گہرا نفسیاتی مطالعہ رکھتے ہیں۔ اُنہوں نے جس انداز سے روزمرہ زندگی کے مسائل کو صفحۂ قرطاس پر اُتارا ہے اور ان مسائل میں طنز و مزاح کی چاشنی بھر دی وہ ان کے گہرے مطالعے کی غماض ہے۔ اُنہوں نے جس انداز سے انسانی زندگی کے درد و کرب

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اور سماجی حقائق کا اپنے قلم سے احاطہ کیا ہے، وہ اُن ہی کا کام ہے۔ پطرس کے قلم کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ حقائق سے ہرگز چشم پوشی نہیں کرتے تھے اسی لئے وہ اُردو طنز و مزاح کے سرتاج تصور کئے جاتے ہیں۔

پطرس بخاری کا خاندانی نام احمد شاہ بخاری تھا لیکن علمی و ادبی دُنیا میں وہ پطرس بخاری کے نام سے ہی جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ پطرس ۱۸۹۸ء میں پشاور میں پیدا ہوئے۔ شروع کی تعلیم سے وہ اپنے آبائی وطن میں ہی سرفراز ہوئے تھے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اپنی ذہانت اور صلاحیت سے وہ جلد ہی کالج کے اساتذہ کے منظورِ نظر بن گئے۔ اُنہوں نے انگریزی میں بھی اعلیٰ ڈگری حاصل کی اور یونیورسٹی میں اوّل آگئے۔ مزید تعلیم کا شوق اُنہیں لاہور سے انگلستان لے گیا۔ چھ سال تک کیمبرج یونیورسٹی میں پڑھتے رہے اور اعلیٰ اعزاز کے ساتھ آنرز کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد پطرس وطن واپس آگئے اور ٹریننگ کالج لاہور میں انگریزی ادبیات کے استاد مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں آگئے اور کئی سال تک طلبا کو تعلیم دیتے رہے۔ ۱۹۳۷ء میں جب آل انڈیا ریڈیو کا قیام عمل میں آیا تو پطرس درس و تدریس کا محکمہ چھوڑ کر ریڈیو میں نوکر ہو گئے اور پھر جلد ہی ترقی کرتے کرتے بٹوارے سے پہلے آل انڈیا ریڈیو کے کنٹرولر جنرل مقرر ہوئے۔ سات برس تک وہ اس عہدہ پر فائز رہے۔ اپنی خداداد صلاحیت سے انہوں نے جنگ کے دوران ایسے نمایاں کارنامے انجام دیئے کہ ملک بھر میں ہر دلعزیز ہو گئے۔ حتیٰ کہ غیر ممالک نے بھی اُن کی خدمات کو سراہا۔ ریڈیو کی ملازمت کے دوران اُن کی ملاقات کرشن چندر، منٹو، مجاز، بیدی اور اشک سے ہوئی جو پہلے ہی آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ ہوئے تھے۔ ان کی صحبت میں رہ کر ان کے سوچنے اور سمجھنے کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ آزادی کے بعد جب ملک دو حصوں میں بٹ گیا تو پطرس لاہور چلے گئے جہاں انہوں نے دوبارہ درس و تدریس کا کام شروع کیا۔ وہ گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل تعینات ہوئے۔ پطرس کئی بار بین الاقوامی کانفرنسوں میں شریک ہوئے جہاں اُنہوں نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

پاکستان کی نمائندگی کی۔ اُنہیں اقوام متحدہ کا اسسٹنٹ سکریٹری جنرل بنایا گیا۔ وہ اُردو کے اوّلین ادیب تھے جن کو اتنا بڑا عالمی اعزاز عطا کیا گیا۔ اسی دوران اُنہوں نے کئی غیر ملکی یونیورسٹیوں میں ادبیات انگریزی میں لیکچر دیئے جنہیں بے حد پسند کیا گیا افسوس کہ انہوں نے ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو نیویارک میں انتقال کیا اور اس طرح سے طنز و مزاح کے میدان میں ایک نہ پُر ہونے والا خلا پیدا ہو گیا۔

پطرس بخاری نے بہت کم لکھا ہے لیکن جو کچھ بھی لکھا، سوچ سمجھ کر لکھا ان کے مضامین کا صرف ایک مختصر سا مجموعہ ''مضامین پطرس'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس مجموعے میں گیارہ مضامین شامل ہیں۔ جن میں سماجی اور سیاسی حالات پر گہرا طنز ملتا ہے۔ پطرس خود اس کتاب کے دیباچے میں جو کچھ بھی تحریر فرماتے ہیں اس میں طنز و ظرافت کی گہری چاشنی ملتی ہے۔ وہ اپنی پُر معنی اور فکر انگیز تحریر میں رقمطراز ہیں:۔

> ''اگر یہ کتاب آپ کو کسی نے مفت بھیجی ہے تو مجھ پر احسان کیا ہے۔ اگر آپ نے کہیں سے چرائی ہے تو میں آپ کے ذوق کی داد دیتا ہوں، اپنے پیسوں سے خریدی ہے تو مجھے آپ سے ہمدردی ہے (یعنی آپ کی حماقت سے ہمدردی ہے) اب مصلحت یہی ہے کہ آپ اپنی حماقت کو بنائیں) اور اسے حق بجانب ثابت کریں۔''

پطرس کے بعض اچھے مضامین مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ اُنہوں نے اپنی فکر انگیز تحریروں سے اُردو طنز و مزاح کے میدان میں نام پیدا کیا ہے۔ ان کے یہ مضامین اُردو ادب کا قیمتی اثاثہ تصور کیا جاتا ہے۔ محمد طفیل نے ستمبر ۱۹۵۹ء میں پطرس کے فن کا اعتراف کرتے ہوئے ماہنامہ نقوش لاہور کا پطرس نمبر شائع کیا۔ اس میں انہوں نے پطرس کی شخصیت اور فن پر بڑے عمدہ مقالے شائع کئے ہیں۔ اس طرح سے یہ ۶۳۸ صفحات پر مشتمل ایک خوبصورت ادبی گلدستہ بن گیا ہے۔

پطرس بخاری اُردو کے ایک مقبول انشاء پرداز اور مزاح نگار تھے۔ اُنہوں نے اپنی تحریروں

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

میں طنز و مزاح کے بہترین نمونے پیش کئے ہیں۔ پطرس اُردو کے ساتھ ساتھ انگریزی اور فارسی ادبیات کا بھی گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔ وہ انگریزی زبان کے خوبصورت الفاظ کو اُردو کے ساتھ ساتھ اپنی تحریروں میں پیش کرنے کے روادار تھے۔ پطرس کا طرز تحریر ان کے معاصرین سے الگ اور جداگانہ تھا۔ ان کا اسلوب دلکش اور اندازِ بیان سادہ اور دلنشین تھا۔ وہ عام فہم الفاظ خاطر میں لانے کے قائل تھے اور بڑی سے بڑی بات مختصر الفاظ میں پیش کرنے کے روادار تھے۔ انگریزی ادبیات کا گہرا مطالعہ ہونے کی وجہ سے پطرس کے خیالات میں بھی تبدیلی آتی گئی اور وہ اپنے مخصوص میدان طنز و مزاح کو نئے اور جدید تجربوں سے سرشار کرتے رہے۔ اُنہوں نے اس میدان میں ایسے گل بوٹے کھلائے کہ ایک دنیا حیران ہو جاتی ہے۔ اُن سے پہلے طنز و مزاح کے میدان میں اگرچہ قابل قدر تجربے کئے گئے لیکن عام طور پر یہ بازاری چیز بن کے رہ گئی تھی۔ پطرس نے جب اپنے قدم جمانے شروع کئے تو اپنے اسلوب بیان سے اس میں ایک نیا رنگ بھر دیا اور ساتھ ہی ساتھ نت نئے تجربوں کا سہارا لے کر ایک نئی دنیا پیدا کی۔ ان کے ہاں نہ تو مبالغہ آرائی ہے اور نہ کھوکھلے پن کا احساس ہوتا ہے۔ بلکہ ان کے کردار واقعات کے ساتھ ساتھ خود بخود ہم آہنگی پیدا کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ پطرس کے واقعات صداقت پر مبنی ہوتے ہیں وہ کبھی غیر موزوں واقعات کو خاطر میں لانے کے قائل نہیں۔ اُن کے کردار حرکت کرنے والے کردار ہوتے ہیں۔ ان میں جمود کا عنصر غالب نہیں بلکہ یہ کردار کہانی کو حرکت اور حرارت بخش دیتے ہیں اور یہی ان کی سب سے بڑی پہچان ہے۔

مضامین پطرس میں سے یہ دو مختصر سے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں جن سے پطرس کے کمالِ فن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً

> ''کتوں کے بھونکنے پر مجھے سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اُن کی آواز سوچنے کے تمام قویٰ کو معطل کر دیتی ہے۔ خصوصاً جب کسی دکان کے تختے کے نیچے سے اُن کا ایک پورا خفیہ جلسہ باہر سڑک پر آ کر تبلیغ کا کام شروع کر دے تو آپ ہی کہئے ہوش

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ٹھکانے رہ سکتے ہیں، ہر ایک کی طرف باری باری متوجہ ہونا پڑتا ہے کچھ اُن کا شور کچھ ہماری صدائے احتجاج (زیر لب) بے ڈھنگی حرکات (سکنات وحرکات اُن کی ۔سکنات ہماری) اس ہنگامے میں دماغ بھلا خاک کام کرسکتا ہے؟ اگر چہ یہ مجھے نہیں معلوم کہ اگر ایسے موقع پر دماغ کام کرے بھی تو کیا تیر مارے گا؟ بہر صورت کتوں کی یہ پرلے درجے کی ناانصافی میرے نزدیک ہمیشہ قابل نفریں رہی ہے۔'' (کتے)

''گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی طرف دوڑتا ہے۔ ہماری جو شامت آئی تو ایک دِن اپنے پڑوسی لالہ کرپاشنکر جی برہمچاری سے برسبیل تذکرہ کہہ بیٹھے کہ لالہ جی امتحان کے دِن قریب آتے جاتے ہیں۔آپ سحر خیز ہیں۔ذرا ہمیں بھی صبح جگا دیا کیجئے۔''

وہ حضرت بھی معلوم ہوتا ہے۔نفلوں کے بھوکے بیٹھے تھے۔ دوسرے دن اُٹھتے ہی انہوں نے ایشور کا نام لے کر ہمارے دروازے پر مکا بازی شروع کردی۔ کچھ دیر تک تو ہم سمجھے کہ عالم خواب ہے۔ابھی سے کیا فکر۔ جاگیں گے لاحول پڑھ لیں گے۔ لیکن یہ گولہ باری لحہ بہ لحہ تیز ہوتی گئی اور صاحب جب کمرے کی چوبی دیواریں لرزنے لگیں۔صراحی پر رکھا ہوا گلاس جلترنگ کی طرح بجنے لگا اور دیوار پر لٹکا ہوا کلینڈر پینڈولم کی طرح ہلنے لگا تو بیداری کا قائل ہونا ہی پڑا۔مگر اب دروازہ ہے کہ لگاتار کھٹکھٹایا جارہا ہے۔ میں کیا میرے آباد واجداد کی روحیں اور میری قسمت خوابیدہ تک جاگ اٹھی ہوگی۔'' (سویرے جو کل آنکھ میری کھلی)

پطرس بخاری واقعہ نگاری میں بھی کمال رکھتے تھے۔ان کے بیشتر مضامین اس سلسلہ میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

پیش کئے جاسکتے ہیں۔ جن میں حقیقی طور پر واقعہ نگاری کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔ وہ پرانے اور بوسیدہ حالات وواقعات اپنے طنزیہ مضامین کا حصہ بنانے کے قائل نہیں تھے بلکہ نئے نئے مضامین کو اپنے انوکھے انداز سے بیان کرتے ہیں اور اس میں نئی جان ڈالتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے روایت سے کنارہ کشی کی تھی۔ وہ روایت کا احترام کرتے ہیں اور اس کو فن اور فنکاری کے لئے ایک ضروری حصہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے سامنے سیاسی مسائل ہوں یا سماجی، معاشی ہوں یا اقتصادی، وہ اپنی زبان اور سادہ اسلوب بیان کے تانے بانے سے ان کو ایک ایسی کیفیت عطا کرتے ہیں کہ قائل ہونا پڑتا ہے۔ پطرس نے زندگی کے تلخ حقائق بیان کرنے میں کبھی گریز نہیں کیا بلکہ اس کو الفاظ کے اتار و چڑھاؤ سے ایک ایسی زبان دی ہے کہ قاری جھنجھوڑ کے رہ جاتا ہے۔ ان کا کردار الفاظ کے گورکھ دھندے میں نہیں کھو جاتا بلکہ ایک نئے جوش اور ولولے کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں۔ پطرس نہ عوام کو طنز کا نشانہ بنا دیتے ہیں بلکہ وہ اس میں خود اپنی ذات کو بھی شامل کرتے ہیں۔ آغا بابر اپنے مقالے ''جس کی باتوں میں گلوں کی خوشبو'' میں بڑی اہم اور دلچسپ باتوں کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ''ان کی ذات میں مشرق ومغرب کا جو لطیف امتزاج موجود تھا۔ پہلی صحبت میں آدمی اس سے متاثر ہوتا۔ کمال تو یہ تھا کہ وہ بڑے سے بڑے اہم اور سنجیدہ مسئلے پر بحث کرتے ہوئے کس مزاح وظرافت سے اسے حل کر کے رکھ دیتے تھے۔ ان کے مزاح کی آراستگی ساری محفل کو گرما دیتی۔ ان کی شخصیت میں ایک ایسی گرفت تھی کہ خواہ مخواہ طبیعتیں کھینچی چلی آتیں۔ وہ ان دنوں گورنمنٹ کالج کی تہذیبی سرگرمیوں کے روح رواں تھے۔''

ان تمام باتوں سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ پطرس بخاری اپنے دور کے ایک اہم طنز نگار تھے اُنہوں نے یادگار کے طور پر طنز ومزاح کا صرف ایک مجموعہ چھوڑا ہے۔ اپنے اسی مجموعے سے وہ طنز ومزاح کی تاریخ میں ایک اہم اور معتبر مقام بنانے میں کامیاب ہوئے اور یہی کیا کم ہے ●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

کنہیالال کپور ــــ
ایک نئے زاویئے سے

کنہیال لال کپور ۲۷ رجون ۱۹۱۰ء کو پنجاب کے ایک دیہات میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد لالہ ہری رام لال کپور لائل پور میں پٹواری تھے۔ کنہیالال کپور نے ابتدائی تعلیم مقامی اسکولوں میں حاصل کی۔ گورنمنٹ ہائی اسکول کمالیہ (لایل پور) سے ۱۹۲۸ء میں میٹرک کا امتحان امتیاز سے پاس کیا اور پنجاب بھر میں دوم پوزیشن حاصل کی۔ ایم اے انگریزی میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۴ء میں کپور انگریزی میں ایم اے ہوگئے۔ اس کالج میں مشہور ادیب اور طنز نگار پطرس بخاری بھی بحیثیت استاد تعینات ہوئے تھے۔ اس طرح سے کپور کو پطرس بخاری کا شاگرد ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

کنہیالال کپور نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد مُدرسی کا پیشہ اختیار کیا۔ وہ ڈی اے وی کالج لاہور میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ جہاں وہ ۱۹۴۷ء تک درس وتدریس دیتے رہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

۱۹۴۷ء میں جب ملک دو حصوں میں تقسیم ہوا کپور بھی لاہور چھوڑ کر ہندوستان آ گئے اور یہاں انہیں ڈی ایم کالج موگا (پنجاب) میں ملازمت مل گئی۔ اپنی محنت لگن اور خداداد صلاحیت سے کپور کچھ عرصہ کے بعد صدر شعبہ انگریزی بن گئے اور پھر اسی کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ وہ تاحیات اپنا فرض دیانتداری سے نبھاتے رہے۔

کنہیالال کپور ابتداء سے ہی بڑے ذہن اور خداداد صلاحیت کے مالک تھے۔ اُنہیں وہ زمانہ ملا جب آسمانِ ادب پر بڑے بڑے طنز نگار چھائے ہوئے تھے۔ جن میں کرشن چندر، شوکت تھانوی، پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ایسے میں ایک نوخیز ادیب کا اپنے لئے راستہ تلاش کرنا بڑی بات تھی۔ لیکن کپور نے اپنی ذہانت سے بہت جلد اُن دشوار گذار منزلوں کو سر کرلیا جو اُن کے راستے میں حائل تھیں اور اپنی محنت لگن اور صلاحیت سے اپنے لئے ایک مخصوص مقام بنایا۔

کنہیالال کپور گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ بچپن سے ہی مطالعہ کرنے کے مشتاق تھے۔ اسی مطالعے اور مشاہدے نے اُن کی شخصیت اور فن میں طنز و مزاح کا رنگ بھر دیا۔ کالج کی تعلیم کے دوران کپور کے دِل میں پطرس بخاری جیسے شفیق استاد نے ان کے دل میں طنز و مزاح کا چراغ روشن کیا تھا اور پھر مطالعے اور مشاہدے سے اس چراغ کی لو اور بھی تیز ہونے لگی جس نے کنہیا لال کپور کے لئے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ طنز و مزاح سے ان کی دلچسپی رفتہ رفتہ بڑھنے لگی اور بہت ہی قلیل عرصے میں وہ اُردو کے مشہور و معروف طنز نگاروں کی صف میں اپنا مقام متعین کرنے میں کامیاب ہوئے۔ طنز کے لئے سب سے کامیاب فنکار وہ ہوتا ہے جو سماج اور ماحول کی کشمکش کا بھرپور تجزیہ بڑے سلجھے ہوئے انداز میں کر سکے۔ کپور کے ہاں ان دونوں چیزوں کا بھرپور اور بلیغ احساس تھا ہے۔ یہی چیزیں ان کی کامیابی کی ضامن ہیں۔

کنہیالال کپور گوناگوں شخصیت کے مالک تھے۔ وہ جس محفل میں بھی جاتے تھے اپنی گفتگو سے اُس کو زعفران زار بنا دیتے تھے۔ وہ نہایت ہی حاضر جواب انسان تھے۔ بات

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

میں سے بات پیدا کرنا اُن کا شیوہ تھا۔ کبھی کبھی ایسے فقرے کستے تھے کہ اُن کے سامنے لاجواب ہونا پڑتا تھا۔ کپور نہایت ہی ملنسار اور مخلص آدمی تھے۔ ان کے دل میں جذبۂ ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے مرعوب نہیں ہوتے تھے بلکہ بلیغ اور بامعنی باتوں سے ہر ایک کو محظوظ کرنے کا فن جانتے تھے۔ وہ ہمیشہ مشکلات اور مصائب کا مقابلہ ڈٹ کر کرتے تھے اور کبھی ہمت نہیں ہارتے تھے۔ کپور مفلسوں کے ہمدرد، بے کسوں کے دوست اور غریبوں کے حقیقی معنوں میں امداد بہم کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ روزمرہ زندگی میں وہ نہایت ہی خوش وخرم نظر آتے تھے۔ کپور یاروں کے یار اور دشمنوں کے دوست تھے۔ وہ ہر ایک بات کی تہہ تک جانے کے قائل تھے اور گھما پھرا کر گفتگو کرنے کے قائل نہیں تھے بلکہ صاف اور شستہ زبان میں بولنے کے قائل تھے۔ وہ کبھی فلسفہ جھاڑنے کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ عام فہم زبان میں گفتگو کرنے کے روادار تھے۔

کپور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کا اوّلین مجموعہ مکتبہ جدید لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۴۲ء میں سنگ وخشت کے نام سے شائع ہوا۔ کپور کا دوسرا مجموعہ ۱۹۴۲ء میں شیشہ وتیشہ کے نام سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس کے بعد چنگ ورباب کے نام سے ۱۹۴۶ء میں ان کے مضامین کا ایک اور مجموعہ شائع ہوا۔ اس تصنیف کی بھی ادبی دنیا میں پذیرائی ہوئی۔ تقسیم ملک کے بعد بھی کپور مسلسل اور بے تکان لکھتے رہے اور ان کے کئی قابل قدر مجموعے منظر عام پر آگئے جن میں نوک نشتر ۱۹۴۹ء بال وپر (۱۹۵۲ء) نرم گرم (۱۹۵۷ء) اور گردِ کارواں (۱۹۶۱ء) قابل ذکر ہیں۔ ان تصانیف کے علاوہ کپور کے بے شمار طنزیہ اور مزاحیہ مضامین اور خاکے ہندو پاک کے مختلف رسائل کی زینت بن گئے ہیں۔ جو اپنی بے باکی، صحت مند طنزیہ پیرائے اور انوکھے مزاحیہ انداز کے لئے ہمیشہ یاد کئے جائیں گے۔ کنہیا لال کپور کی ہر بات نرالی ہوتی ہے۔ ان کے مضامین لطیف طنز اور دلچسپ شگفتہ طرز تحریر کی وجہ سے صدیوں تک یاد کئے جائیں گے۔ اُردو کے معروف ادیب مخمور جالندھری، کنہیالال کپور کے طنزیہ مضامین کے مجموعے ''بال وپر'' پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

''کنہیالال کپور کے طنزیہ مضامین کا یہ پانچواں مجموعہ ہے۔
اس مجموعے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے بیشتر طنزیہ مضامین تقسیم ملک کے بعد کی پیداوار ہیں اوران میں کپور کی نشرزنی اپنے عروج پر ہے۔ مضامین کا مرکزی خیال انتہائی ہلکا پھلکا ہے۔ اس لئے کپور کی طنز عین نشانہ پر بیٹھی ہے اور اپنے اندر تاثر کے بحر بیکراں لئے ہوئے ہوتی ہے۔''(۱)

کنہیالال کپور اُردو کے انشائیہ نگاروں میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنی انوکھی تحریروں سے طنزومزاح کے شعبے میں انقلاب لایا۔ وہ اُردو کے اُن گنے چنے انشائیہ نگاروں میں سے تھے جنہوں نے اپنی بے لاگ تحریروں سے ایسا جادو جگایا ہے کہ اُن کے فن کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ کپور نے اس زمانے میں لکھا شروع کیا۔ جب پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی، اعظم بیگ چغتائی، کرشن چندر، فرحت اللہ بیگ، شوکت تھانوی جیسے بڑے پایہ کے ادیب اور انشاء پرداز طنز ومزاح کے میدان میں وارد ہو چکے تھے اورانہوں نے اپنی فنکاری سے اپنے لئے مستقل جگہ بنائی تھی۔ کنہیالال کپور''ایک پیروڑی تھی خفتگان'' لے کر ادبی دُنیا میں داخل ہوئے اور اپنی اسی تحریر سے اپنے لئے راہ ہموار کی۔ کپور نے یہ مضمون کرشن چندر کے افسانے یرقان سے متاثر ہو کر لکھا تھا اور اس کو انہوں نے کرشن چندر کی موجودگی میں پڑھا تھا۔ اس کے بعد اُنہوں نے بے شمار مضامین لکھے جن کو ایک عرصے تک مولانا صلاح الدین اپنے پرچے ''ادبی دُنیا'' میں شائع کرتے رہے۔ کپور، پطرس کے طرز تحریر اعظم بیگ چغتائی کی فنکارانہ چابکدستی، کرشن چندر کی شاعرانہ نثر اور رشید احمد صدیقی کی زبان سے بے حد متاثر ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ وہ خود رقمطراز ہیں:۔

''جن ادباء نے مجھے متاثر کیا، وہ ہیں پطرس، رشید احمد صدیقی، اعظم بیگم چغتائی اور کرشن چندر۔ دراصل میں نے

(۱) ماہنامہ شاہراہ دہلی جلد ۶، شمارہ ۳ مارچ ۱۹۵۴ء۔ ص ۳۰۷

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

مؤخرالذکر کی تحریک پر لکھنا شروع کیا۔ سب سے پہلا مضمون
ایک پیروڈی تھی جو کرشن چندر کے افسانے ''یرقان'' پر لکھی گئی۔
نام تھا خفتگان۔ یہ مضمون کرشن چندر کے ایماء پر پڑھے جانے
کے بعد تلف کر دیا گیا۔ مجھے بگاڑنے یا سنوارنے میں مولانا
صلاح الدین ایڈیٹر ادبی دُنیا اور چودھری رشید احمد مالک مکتبہ
جدید لاہور کا بھی کافی ہاتھ رہا۔''

کنہیالال کپور فن طنز وظرافت کے ایک اہم ستون ہیں۔ اُنہوں نے طنز ومزاح کے میدان میں اپنی بیباک تحریروں سے انقلاب لایا اور اس فن میں خاصا نام پیدا کیا۔ اُن کے ہاں طنز کے ساتھ ساتھ جو مزاح کا عنصر پایا جاتا ہے وہ خاصے کی چیز ہے۔ ان کی طنز میں گہرائی اور ظرافت میں بے باکی ہے۔ یہی پہلو اُنہیں اُردو کے جدید طنز نگاروں میں ایک منفرد مقام عطا کرتی ہے۔

کپور کے ہاں زندگی اور معاشرے کی تمام تر ناہمواریاں سمٹ کر آ گئی ہیں۔ وہ ان ناہمواریوں کو اپنے منفرد انداز سے ایک ایسی شکل دینے کے درپے ہیں کہ ایک واضح تصویر سامنے آجاتی ہے۔ کپور کا نقطہ نظر ہمیشہ ہمدردانہ رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے قلم نے کبھی صداقت سے گریز نہیں کیا اور نہ کبھی اس میں لڑکھڑاہٹ پیدا کی۔ طنز ومزاح کے بارے میں ان کا نظریہ وہی رہا جو انگریزی کے مشہور ادیب اور مزاح نگار ایڈیسن کا رہا ہے انہوں نے طنز ومزاح کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:۔

''اُلو لفظ استعمال کئے بغیر کسی کو اُلو کہنا طنز ہے اور کسی غیر یا
اپنے پر اس انداز سے ہنسنا کہ ہنسی ہمدردی کا لباس اوڑھے رہے
مزاح ہے''

کنہیالال کپور کا اوّلین مجموعہ ''سنگ وخشت'' کے نام سے بہت پہلے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں اُن کے ''ایک آرٹسٹ'' ''ریڈیو خریدا ہے'' چینی شاعری، انتساب، اُردو افسانہ نویسی کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

چند نمونے ، اخبار بینی، قومی لباس ، غالب جدید شعراء کی ایک مجلس میں، وغیرہ جیسے طنزیہ مضامین اور فیچر شامل ہیں۔ان تمام مضامین میں سے ان کا فیچر غالب جدید شعراء کی ایک مجلس میں ''قابل قدر ہے۔اس فیچر کو ادبی حلقوں نے بے حد سراہا۔ نئے شعراء کی بے راہ روی اور اس کے معیار و مینار پر بھرپور طنز اس فیچر کا مرکزی نقطہ ہے۔نئی شاعری کے موضوعات، اندازِ بیان، طرز ادا، قواعد وضوابط جیسے ادب کے بے شمار لوازمات پر بھرپور طنز اس فیچر کا بنیادی جزو ہے۔

''شیشہ و تیشہ'' کپور کے مضامین کا دوسرا مجموعہ ہے۔اس میں ان کے زیب داستان، کافی ہاؤس ،فلسفۂ متانت، کامریڈ شیخ چلی، اہل زبان، انکم ٹیکس وغیرہ جیسے مضامین شامل ہیں۔ جہاں کپور نے اپنے مضمون زیب داستان کے لئے میں پروفیسر، شاعر، رئیس زادہ، طوائف، گونگا فلاسفر اور گارڈ کے پردے میں متوسط طبقہ کے بعض خامیوں کو ظاہر کیا ہے۔ وہاں کافی ہاؤس، میں انہوں نے ان لوگوں کی کمزوریوں کو بے نقاب کیا ہے جنہیں وقت کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔فلسفہ متانت میں تقدیر سے زیادہ تدبیر پر زور دیا گیا ہے اور اہل زبان میں ان لوگوں کا مذاق اڑایا گیا ہے جو ادب کو اپنی میراث سمجھتے ہیں۔اس مضمون میں کپور نے لکھنؤ اور یوپی کے لوگوں کا بھی جی کھول کر مذاق اڑایا ہے جو زبان کے مقابلے میں جداگانہ تصور رکھتے ہیں۔شیشہ و تیشہ کے باقی مضامین میں بھی کپور نے ایسے ہی نشتر چلائے ہیں۔

چنگ و رباب، بھی کنہیالال کپور کا اسی نوعیت کے طنزیہ مضامین کا مجموعہ ہے۔اس میں نٹ راج (جنگ کا دیوتا) پریس کانفرنس، خارشان ، جہان گرد، صداقت جیسے مضامین ہیں جہاں ان مضامین میں ہنگامی مسائل وقت کے ساتھ اپنی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں وہاں ان میں روح عصر کی کارفرمائی بھی ملتی ہے۔

کپور کے باقی مجموعوں میں نوک ونشتر ، بال و پر، نرم گرم اور گرد کارواں ذکر کے قابل ہیں۔ان مضامین میں بھی طنز و مزاح کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔شارب ردولوی، کپور کے فن کے بارے میں واضح تصور رکھتے ہیں۔ایک جگہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

''کپور کے مضامین میں یہ نشتر اپنے مناسب جگہ پر ہوتے ہیں کہ انسان تڑپ اُٹھتا ہے۔ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ زندگی اور سماج کے اہم مسائل کو اپنا موضوع بناتے ہیں۔اس لئے ان کے مضامین صرف ہنساتے نہیں بلکہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔وہ ایک واعظ، ناصح، رہبر یا لیڈر کی طرح لمبی لمبی خشک باتیں نہیں کرتا بلکہ اپنے مخصوص انداز اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں اپنا مقصد بیان کر دیتے ہیں۔جس میں تاثر گہرائی اور گیرائی زیادہ ہوتی ہے۔''

کپور نے اپنی انشائیہ نگاری اور طنز وظرافت کے وسیلے سے اُردو ادب کی جو خدمت کی ہے۔وہ نا قابلِ فراموش ہے۔کنہیالال کپور کو جن دو مضامین نے شہرت اور امتیاز بخشا، ان میں غالب ترقی پسند شعراء کی محفل میں، اور ''برج بانو'' قابل ذکر ہیں۔اول الذکر مضمون دراصل ایک طنزیہ فیچر ہے۔جس میں نئے شعراء کی بے راہ روی اور اس کے معیار ومیزان پر بھرپور طنز کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ اس میں نئی شاعری کے موضوعات اندازِ بیان، طرز ادا قواعد وضوابط وغیرہ پر بھی طنزیہ انداز سے بحث کی گئی ہے۔برج بانو میں کپور نے اُردو زبان پر آزادی کے بعد جو مصیبتیں آئی ہیں۔ان کو اپنے مخصوص انداز میں اُجاگر کیا ہے۔

کنہیالال کپور کا طرز تحریر بڑا دلفریب ہے۔اس میں دلکشی اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔وہ اُردو زبان کے مزاج سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ان کے مضامین میں سادگی، سلاست اور پرکاری پائی جاتی ہے۔وہ فارسی کے ثقیل الفاظ یا تراکیب سے مرعوب نہیں کرتے بلکہ آسان اور عام فہم زبان استعمال کرنے کے قائل ہیں۔کپور انسانی زندگی کے قریب ترین مسائل کا اپنے مضامین میں احاطہ کرنے پر قادر ہیں۔وہ ان مسائل کو کچھ اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ نہ تو اس کی متانت اور سنجیدگی میں فرق آتا ہے اور نہ وہ خشک اور سپاٹ معلوم ہوتا ہے۔وہ ہر قسم کے معاملات کو اپنی تحریروں میں جگہ دیتے ہیں۔جن میں سیاسی بھی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہیں اور سماجی بھی، تہذیبی بھی اور تاریخی بھی۔ کپور بنیادی طور پر ترقی پسند نظریہ رکھتے ہیں۔ وہ سب سے پہلے مسائل پر غور وفکر کرنے کے عادی ہیں اور پھر اپنا جواز پیش کرتے ہیں۔ ان کا قلم ہمیشہ سماج کی دکھتی رگ پر ہوتا ہے۔ ان کے طنز میں زہرناکی کم اور ہمدردی زیادہ پائی جاتی ہے۔ وہ زندگی پر طنز کرتے وقت نہ صرف قہقہہ بلند کرتے ہیں بلکہ اس کا بھرپور جائزہ لے کر اس کی کمزوریوں کا ازالہ کرنے پر تُلے رہتے ہیں۔ کپور مختصر عبارات کے قائل ہیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں ایسی شگفتگی پیدا کرتے رہتے ہیں کہ پڑھنے والا قائل ہو جاتا ہے۔ ان کی تحریروں میں استعارات اور علائم کا برمحل استعمال ہوتا ہے۔ وہ جچے تُلے انداز میں اپنی بات کہنے کے قائل ہیں۔

کنہیالال کپور ہمیشہ اپنی خوبصورت تحریروں کی وجہ سے یاد کئے جائیں گے۔ انہوں نے اپنے مضامین میں طنز ومزاح کے ایسے انوکھے رنگ بھر دیئے ہیں جو زیرلب مسکرانے پر مجبور کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں۔ افسوس کو چند سال قبل ان کا انتقال ہو گیا اور اس طرح سے اُردو طنز ومزاح کے میدان میں ایک نہ پُر ہونے والا خلا پیدا ہو گیا ہے۔

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

خلیل الرحمٰن اعظمی کے ساتھ ایک گفتگو

جون ۱۹۷۷ء کی ایک دوپہر آج بھی میری یادوں کے نہاں خانوں میں محفوظ ہے گرمیاں شباب پر تھیں۔ میں یونیورسٹی کیمپس سے معمول کا کام ختم کرنے کے بعد سیدھے لالچوک پہنچ گیا اور اُردو کے معروف شاعر، زبان دان، محقق اور سرکردہ براڈ کاسٹر کمال احمد صدیقی کے فلیٹ کی راہ لی، جو خلیل صاحب کے دوست بھی تھے اور ہم زلف بھی۔ خلیل صاحب چند دنوں کیلئے علی گڈھ سے تشریف لائے تھے اور انہی کے ہاں قیام کر رہے تھے۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ نوکر باہر آیا اور مجھے نہایت ہی عزت سے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ میں پہلے ہی اعظمی صاحب سے وقت لے چکا تھا لہٰذا زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ مجھ سے بخوبی آشنا تھے اور مجھے بہت ہی عزیز رکھتے تھے۔ اُس زمانے میں اُن کی چند نہایت ہی فکر انگیز غزلیں ماہنامہ شب خون الٰہ آباد میں شائع ہو چکی تھیں۔ ان کے یہ شعر مجھے آج بھی ازبر ہیں:۔

راستہ پُر پیچ ہے اور ہم سفر کوئی نہیں
سب مرے ہم شکل ہیں مجھ سا مگر کوئی نہیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

کس کس کو اپنے خونِ جگر کا حساب دوں
اک قطرہ بچ رہا تھا سو وہ بھی نبڑ گیا

ان اشعار نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ خلیل صاحب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے اور اپنے مخصوص انداز سے پیش آئے۔ خیر وعافیت کے بعد اُنہوں نے مجھ سے میرے والد بزرگوار کے بارے میں دریافت کیا جن کا مقالہ ''سعادت حسن منٹو۔ حیات اور کارنامے'' کا مسودہ وہ پہلے ہی ملاحظہ فرما چکے تھے اور اپنی گراں قدر رائے کا اظہار یوں کر چکے تھے۔ ''اس مقالے میں موضوع کو احتیاط اور ہنرمندی سے برتا گیا ہے اور منٹو کی کہانیوں اور ڈراموں کا مطالعہ انتہائی لگن، گہری بصیرت اور معروضی از راہِ نظر سے کیا گیا ہے۔'' بہر حال خلیل صاحب آج ہمارے درمیان موجود نہیں۔ میں نے اُس دِن اُن کے ساتھ جو گفتگو ریکارڈ کی تھی اس کو آج صفحۂ قرطاس پر اُتارنے کی جسارت کر رہا ہوں تا کہ اُردو زبان وادب کے اس منفرد لب ولہجے اور اسلوب کے شاعر ''محقق نقاد اور باخبر اُستاد کی شخصیت اور شاعری کے بعض اہم گوشے قارئین کے سامنے آجائیں۔ میں نے گفتگو کا آغاز کچھ اس طرح کیا:۔

س: خلیل صاحب آپ کا خاندانی نام کیا ہے، آپ کہاں پیدا ہوئے اور آپ کی سنہ پیدائش کیا ہے؟

ج: میرا نام خلیل الرحمٰن ہے۔ اعظم گڈھ آبائی وطن ہے، اسی نسبت سے اعظمی لکھتا ہوں۔ تاریخ پیدائش ۹ راگست ۱۹۲۷ء ہے۔

س: آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے کن تعلیمی اداروں میں داخلہ لیا؟

ج: میں نے ابتدائی تعلیم ہائی اسکول تک شبلی نیشنل کالج اعظم گڈھ میں حاصل کی۔ اسکے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں داخل ہوا اور وہاں سے ایم۔ اے، پی ایچ ڈی تک اپنی تعلیم مکمل کی۔

س: آپ نے اپنی شاعری کا آغاز کب کیا، اصلاح سخن کن سے لی؟

ج: کلام پر باقاعدہ اصلاح تو کسی سے نہیں لی لیکن ابتدائی نظموں پر سلام مچھلی شہری سے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

مشورہ کیا تھا۔علی گڈھ کے زمانہ طالب علمی میں کچھ غزلیں شاد عارفی کو بھی دکھائی تھیں، یہ مشورہ دوستانہ تھا۔

س: آپ کی سب سے پہلی نظم کونسی ہے، یہ کہاں شائع ہوئی؟

ج: سب سے پہلے تیرہ سال کی عمر میں ''نیا کھیل'' کے عنوان سے لکھی تھی جو غنچہ (بجنور) کے کھیل کود نمبر میں شائع ہوئی تھی۔جیسا کہ ظاہر ہے کہ اس نظم میں بچپن اور نوعمری کے جذبات تھے۔دوسرے شعراء کی نظمیں پڑھ کر گنگناہٹ پیدا ہوئی اور محسوس ہوا کہ میں بھی موزوں طبع ہوں اور اپنے تاثرات کو نظم کرسکتا ہوں۔

س: آپ کا ابتدائی نمونہ کلام

ج: نمونہ کلام اس وقت پیش کرنے میں معذور ہوں۔پہلے مجموعہ کلام ''کاغذی پیرہن'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔

س: آپ کا نظریۂ شعر

ج: میں شاعری کو ایک تخلیقی عمل سمجھتا ہوں۔خارجی زندگی کے مشاہدات وتجربات جب شاعر کی داخلی شخصیت کا جزو بن جاتے ہیں اور وہ جمالیاتی وتخلیقی مراحل سے گذر کر لفظ وآہنگ کے پردے میں ظاہر ہوتے ہیں تو انہیں کو شعر کہا جاتا ہے۔

س: آپ کے اب تک کتنے شعری مجموعے شائع ہوچکے ہیں؟ آپ کا تخلص

ج: اب تک میرے دو شعری مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔کاغذی پیرہن (۱۹۵۵) اور نیا عہد نامہ (۱۹۶۵ء)۔۱۹۶۵ء کے بعد کا کلام ایک نئے مجموعے کی صورت میں جلد ہی مرتب کرنے کا خیال ہے۔میں تخلص کا گنہگار نہیں۔میرا اصلی نام ہی میرا ادبی نام ہے۔

س: آپ کی عزیز ترین صنف کون سی ہے؟ نظم یا غزل

ج: میں نظم اور غزل دونوں اصناف میں طبع آزمائی کرتا ہوں۔ان اصناف میں کسی بندھے ٹکے طریقے کا پابند نہیں۔آئندہ ان کے دائرے سے نکل بھی سکتا ہوں۔ شاعری میں لفظ ومعنی کی وحدت کا قائل ہوں۔جیسا طرز احساس اور جیسا ذہنی تجربہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہوگا اسی اعتبار سے لفظ اور اسلوب کی تشکیل ہوگی۔

س: آپ اپنی تخلیق کتنی دیر میں مکمل کرتے ہیں؟

ج: میں کبھی برسوں شعر نہیں کہتا ہوں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غزلوں اور نظموں کی بارش شروع ہوتی ہے۔ میں شعوری طور پر اگر چاہوں کہ کوئی چیز لکھوں تو ناکام رہتا ہوں مگر کبھی کبھی بے ارادہ نظمیں اور غزلیں ''نازل'' سی ہونے لگتی ہیں۔ جب شعر کا نزول ہوتا ہے تو نظم یا غزل کی تکمیل میں دیر نہیں لگتی۔ عام طور پر ایک ہی نشست میں نظم یا غزل مکمل ہو جاتی ہے۔

س: آپ کن شعراء سے متاثر ہیں؟

ج: فراق، یگانہ، فیض، راشد، میراجی، اختر الایمان، مختار صدیقی، مجید امجد اور سلام مچھلی شہری کے کلام سے میں کم عمری میں ہی متاثر ہوا تھا۔

س: اس صدی کا بہترین اُردو شاعر کون ہے؟

ج: اس صدی کا بہترین اُردو شاعر اقبال کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔ ان کے مجموعی کارناموں اور ان کے فن کی گہرائی، گیرائی کو دیکھ کر یہ بات کہی جارہی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ان کی ہر چیز پسندیدہ بھی ہو۔

س: آپ کے ہم عصر شعراء میں آپ کن کی تخلیقات شوق سے پڑھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں؟

ج: میرے ہم عصر و ہم عمر شاعروں میں بلراج کومل شاذ تمکنت، وحید اختر، قاضی سلیم، شہاب جعفری، عمیق حنفی، حسن نعیم، شہریار، محمد علوی، ندا فاضلی، عادل منصوری کمار پاشی، بانی، زبیر رضوی، محمود ایاز، عزیز قیسی، مظہر امام، مخمور سعیدی، مصحف اقبال توصیفی، شفیق فاطمہ شعری، صادق، بمل کرشن اشک، پرکاش فکری، عتیق اللہ، شمس الرحمٰن فاروقی، باقر مہدی، بشیر بدر، شمیم حنفی، ساجدہ زیدی، زاہدہ زیدی، ناہید ثانی وغیرہ کا کلام مختلف موقعوں پر مجھے پسند آیا ہے اور اپنے دور کے لئے معنی خیز نظر آیا ہے۔ پاکستانی شاعروں میں ناصر کاظمی، ابن انشا، سلیم احمد، مصطفیٰ زیدی، منیر نیازی،

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

وزیر آغا، ساقی فاروقی، جیلانی کامران، عباس اطہر، ظفر اقبال، زاہد ڈار، اختر احسن، انیس ناگی، افتخار جالب، فہمیدہ ریاض، احمد فراز، شہزاد احمد، کشور ناہید اور ریاض مجید وغیرہ کی بہت سی چیزیں شوق سے پڑھی ہیں اور انہیں آج کا اہم شاعر سمجھتا ہوں۔

س: غزل کے مستقبل کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟

ج: میرے خیال میں اُردو غزل کا مستقبل شاندار ہے کیونکہ اس صنف میں ایسی لچک ہے کہ یہ ہر دور کے طرز احساس سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے اور اپنے اسلوب میں نو بہ نو امکانات رکھتی ہے۔

س: اپنی نظموں میں آپ کو کونسی نظم پسند ہے اور کیوں؟

ج: اپنی نظموں میں سوداگر، ملاقات، سایۂ دیوار، اپنے بچے کا نام، نیا عہد نامہ، میں اور میں، بدلتے موسم، ذاتیات، میں گوتم نہیں ہوں، لمحے کی موت اور نئے آدمی کی تلاش مجھے پسند ہے۔ ان نظموں سے میرے داخلی تجربے کی نوعیت سمجھی جا سکتی ہے۔

س: آپ کا سیاسی مسلک؟

ج: میں ایک ایسے سیاسی نظام کا خواب دیکھتا ہوں۔ جہاں فرد اور جماعت دونوں اپنے اپنے طور پر اپنی تکمیل کے لئے آزاد ہوں گی، ان میں تضاد اور کشمکش کے بجائے ہم آہنگی ہوگی۔ جس ریاست میں فرد کی تخلیقی صلاحیتوں کے بروئے کار آنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اور وہ اپنے شخصی اظہار کے لئے مکمل طور پر آزاد ہوگا وہ میری مثالی ریاست ہوگی۔

س: کیا آپ ادب میں مقصدیت کے قائل ہیں؟

ج: ادب میں افادیت اور مقصدیت کو شعوری طور پر ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق برتنے کا میں قائل نہیں۔ تخلیقی ادب سے بالواسطہ اگر فائدہ پہنچ جائے اور کسی مقصد کی تکمیل میں مدد ملے تو مجھے کوئی اعتراض بھی نہ ہوگا۔ پھول یہ ارادہ کر کے نہیں کھلتے کہ وہ کسی گلدان کی زینت بنیں گے یا کسی کی سیج پر سجائے جائیں گے۔ اب اگر انہیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

کوئی گلدان یا سیج پر لے جائے تو پھول کو کیا اختیار ہے۔

س: جدیدیت کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟

ج: جدیدیت کو میں تاریخی ارتقا کا ایک ناگزیر عمل اور مرحلہ سمجھتا ہوں۔ اس لئے اس کے لئے اس کی مخالفت کا سوال نہیں، میری مخالفت کے باوجود ادب اور فن اپنے دور کے طرزِ احساس کے ساتھ بدلیں گے، اس لئے میں کیوں نہ اسے ایک فطری شئے سمجھ کر قبول کروں۔

س: غزل کے بارے میں کلیم الدین احمد کے اس قول سے آپ متفق ہیں کہ غزل نیم وحشی صنفِ سخن ہے، یا نہیں؟

ج: غزل کے بارے میں کلیم الدین احمد کی رائے سے میں متفق نہیں ہوں۔ غزل ذہنی وتخلیقی تجربے کا جوہر پیش کرتی ہے اور اس کے بہترین اشعار میں ایک ایسی قوت ہوتی ہے جسے ایٹمی توانائی سے تعبیر کیا جائے تو بے جان نہ ہوگا۔

س: آزاد نظم کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟ کیا انقلابی شاعری کے لئے آزاد نظم بہترین ذریعہ ہے؟

ج: آزاد نظم میرے نزدیک پسندیدہ اظہار ہے۔ رہ گیا انقلابی شاعری کے لئے اس کا موزوں ہونا تو یہ کوئی ضروری نہیں۔ یہ ہر طرح کی شاعری کے لئے موزوں ہے۔

س: آپ کی زندگی کا کوئی ناقابل فراموش واقعہ!

ج: میری زندگی کا کوئی واقعہ ناقابل فراموش نہیں۔ ان واقعات کا بوجھ کہاں تک اٹھائے پھروں، اگر انسان اپنی زندگی کی تفصیلات کا رجسٹر تیار کرے یا ذہن کو اس کا ایک کباڑ خانہ بتائے تو وہ اس کے لئے عذاب ہو جائے گا، جو کچھ واقعات گزرتے ہیں وہ ہمارے خون میں حل ہو جاتے ہیں اور اکثر لاشعور کے نہاں خانوں میں چلے جاتے ہیں۔ وہاں سے وہ ادبی تخلیق کے لئے غذا فراہم کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح کہ ہمیں ان کا علم بھی نہیں ہوگا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

س: صنفِ گیت کے مقبولیت کے اسباب کیا ہیں؟ کیا آپ گیت بھی تخلیق کرتے ہیں؟

ج: میں نے گیت ایک آدھ لکھے تھے، اب نہیں لکھتا۔ سادہ داخلی اور غنائی کیفیات کے لئے یہ موزوں صنف ہے لیکن پیچیدہ داخلی تجربے کے لئے یہ طریقۂ اظہار اب ساتھ نہیں دے سکتا۔ شاعر کے اندر سے وہ سادگی اور معصومیت اب کھوتی جارہی ہے جو گیت کے لئے ضروری ہے۔ گیت کے لئے شیریں بیان ہونا ضروری ہے لیکن آج کے شاعر کے منہ کا ذائقہ خراب ہے۔

خلیل صاحب کے ساتھ گذرے ہوئے وہ لمحات آج بھی مجھے یاد ہیں۔ وہ دورِ جدید کے نہ صرف ایک اہم اور نمائندہ شاعر تھے بلکہ ایک صاحب طرز ادیب، ایک بالغ نظر نقاد اور اعلیٰ پایہ کے محقق بھی تھے۔ ان کی زبان، طرزِ تحریر اور اسلوب و لہجہ پسند بھی کیا جاتا ہے اور اپنایا بھی جاتا ہے اور یہی ان کے فن کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

خلیل کے بے وقت موت نے جہاں ایک طرف نئی غزل کو تہی دست و دامن کیا ہے۔ وہاں تحقیق و تنقید کے میدان میں بھی ایک نہ پُر ہونے والی خلا پیدا کی۔ ان کے لہجے اُن کے اسلوب کی رعنائی اور فکر و نظر کی گہرائی مدتوں تک یاد رہے گی۔ انتقال سے کچھ عرصہ پہلے اُنہوں نے کہا تھا:۔

مٹی کی چادر میں چھپیں گے، قبر بنے گی مٹی کی
سب مٹی میں مل جائیں گے، ختم فسانے مٹی کی

مٹی کی چادر میں چھپنے کے خواہش مند اور نئی غزل کے مزاج شناس شاعر مٹی کی چادر میں چھپ کر مٹی ہو گئے۔

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

شعرائے پونہ ــــ ایک تحقیق

نذیر فتح پوری مالک و مدیر اسباق پونا کے طور پر جانے اور پہچانے جاتے ہیں لیکن وہ ایک قابل قدر شاعر بھی ہیں اور محقق و نقاد بھی ان کے دو درجن سے زائد تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں ناول بھی ہیں اور شعری مجموعے بھی، افسانے بھی ہیں اور تنقیدی و تحقیقی مقالات بھی، انہوں نے مختلف مشاہیر ادب کی شخصیت اور فن پر بعض عمدہ کتابیں بھی ترتیب دی ہیں۔ ادبی تاریخ اور تذکروں کے بعض اہم گوشوں کو بھی انہوں نے کتابی صورت میں منصۂ شہود پر لایا ہے لیکن ان کی اصلی پہچان اردو کے ایک معتبر صحافی اور حساس اور دردمند شاعر کے طور پر پوری ادبی دُنیا نے تسلیم کی ہے۔

''شعرائے پونہ۔ ایک تحقیق'' نذیر فتح پوری کی ایک تازہ ترین علمی و ادبی کارنامہ ہے جو اردو علمی و ادبی حلقوں میں بے حد سراہا گیا ہے۔ حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ پونا جناب منور پیر بھائی اس کتاب کے سرنامے میں نذیر فتح پوری کی فنی صلاحیتوں کی داد دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

نذیر فتح پوری نے اُردو زبان وادب کی جم کر خدمت کی
ہے۔اُن کی ان تھک جسمانی محنت اور تگ ودو اور ذہنی یکسوئی میں
گذشتہ ۲۵ رسال میں کوئی کمی اور سستی نہیں آئی ہے۔ ناسازگاریٔ
حالات، معاشی اور اقتصادی نشیب وفراز اور اہل ذوق ونظر کی
پُراسرار خاموشی نے ان کے جذبۂ تالیف کو نہ کم کیا اور نہ کبھی وہ
ہمت ہار کر بیٹھ رہے۔"

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ نذیر فتح پوری نے اس کتاب کو مرتب کرتے ہوئے کتنے ہفت خواں طے کئے ہوں گے۔ لیکن ان کی محنت لگن اور صلاحیت اوران کے جذبۂ شوق کی داد نہ دینا کور ذوقی ہوگی۔

نذیر ایک سیدھے سادھے انسان ہیں۔ ظاہری چمک دمک سے بہت دور رہتے ہیں لیکن ان کی آنکھوں کی چمک سے اس بات کا صاف طور پر اعادہ ہوتا ہے کہ اس شخص کے دل میں علم وادب کا ایک آتش فشاں پہاڑ ہے جو ان کے فکر وفن کی جولانی میں پیوست ہو کر مناسب الفاظ کا جامعہ پہن کر مناسب موقعوں پر باہر نکل جاتا ہے اور علم وادب کے میدان میں ہلچل پیدا کرتا ہے شعرائے پونا۔ ایک تحقیق اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔

شعرائے پونہ۔ ایک تحقیق ۴۰۷ صفحات پر مشتمل نذیر کا ایک خوبصورت علمی وادبی گلدستہ ہے۔ جس میں انہوں نے ادب کے کئی گم گشتہ گوشے سامنے لائے ہیں۔ ان کی یہ گراں قدر تصنیف حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ پونے نے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کی ہے۔ نذیر نے اس کتاب کا انتساب آفتاب دکن حضرت شاد پونوی، عزیز العصر حضرت سلیم پونوی اور حضرت احقر جلگانوی کے نام کیا ہے۔ جن کی تخلیقی اور ادبی کارناموں کے طفیل پونہ کا ماضی ہمیشہ درخشاں رہے گا۔

نذیر، بیسویں صدی کے ایک معتبر محقق، نقاد و [illegible] کالی داس گپتا رضا کی شخصیات اوران کے علمی وادبی کارناموں سے [illegible] مرعوب تھے۔ وہ ان کی [illegible] صلاحیت کے قائل

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

تھے اوران کی محققانہ طبیعت سے بہت متاثر تھے اس میں کوئی باک نہیں کہ نذیر کی محققانہ کاوشوں کے پنپنے میں رضا مرحوم کی رفاقتوں کا زبردشت ہاتھ رہا ہے جس کا اعتراف خود نذیر فتح پوری اپنی تحریروں میں جگہ جگہ کرتے ہیں اور جس کی طرف کتاب کے سرنامے میں منور پیر بھائی اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

> ''نذیر فتح پوری نے اپنی زندگی کے کئی سال نازش ادب اور ماہر غالبات کالی داس گپتا رضا کی صحبت میں بسر کئے۔ انگنت صبحوں اور شاموں کا ایک طویل سلسلہ ہے جب انہیں گپتا رضا کی رفاقت نصیب ہوئی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ نذیر جیسا اُردو ادب کا ذہین طالب علم اور اردو کا جیالا مجاہد، رضا صاحب کی محققانہ طبیعت سے متاثر ہوئے بغیر رہ جاتا۔ میرے خیال سے تحقیقی کاموں کی جانب نذیر کا یہ جوشِ میلان کالی داس گپتا رضا کی رفاقتوں کا ثمرہ ہے۔''

پونا کی اپنی ایک علمی وادبی روایت رہی ہے۔ یہاں کا صحت مند کلچر، یہاں کی تہذیب اور تمدن اپنی ایک انفرادی پہچان رکھتا ہے۔ یہاں نہ جانے کتنے بڑے بڑے شعراء پیدا ہوئے اور اپنے نقش پا چھوڑ کر چلے گئے۔ اس سرزمین نے باہر کے بے شمار شعراء کو اپنی طرف کھینچ لیا اوران کے تخلیقی سوتوں کو پنپنے میں اپنا بھرپور حصہ ادا کیا۔ لیکن افسوس یہ ساری معلومات اوراق پارینہ بن کے رہ گئے تھے۔ نذیر فتح پوری مبارکبادی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے شعرائے پونہ۔ ایک تحقیق کے نام سے ایک بھرپور کتاب لکھی جو اس موضوع سے بھرپور انصاف کرتی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے تقریباً تین سو سالہ شعری سفر کا احاطہ کرنے کی سعی جمیل کی ہے۔ موصوف نے اس کتاب کو چھ ذیلی ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلے باب میں پونہ۔ چند حقائق کے تعلق سے انہوں نے زبان کلچر تہذیب اور تواریخی پس منظر میں ہندوستان کے اس مردم خیز خطے کے خدوخال اُبھارنے کی کوشش کی ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

مختلف ماخذوں سے انہوں نے پونہ کے علمی وادبی روایات پر بھرپور روشنی ڈالنے کے بعد پونہ کو تواریخی تناظر میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح سے پونہ کی سچی اور حقیقی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

''شعرائے پونہ۔ایک تحقیق'' کو نذیر فتح پوری نے چار ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔

نمبر۱۔ مہمان شعراء نمبر۲۔ مرحوم شعراء

نمبر۳۔ موجودہ شعراء نمبر۴۔ ہندی مراٹھی شعراء اور انگریزی شعراء

پونہ کے مہمان شعرا کتاب کا دلچسپ باب ہے۔ یہ باب ماہ لقا چندہ سے شروع ہوتا ہے جو اپنے وقت کی ایک معروف شاعرہ اور رقاصہ تھیں۔ جنہوں نے اس زمانے میں دکن میں شعر وادب کے چراغ جلائے جب اردو شاعری میں میر تقی میر، سودا، خواجہ میر درد کی شاعری شباب پر تھی۔ محققین انہیں اُردو کی دوسری صاحبِ دیوان مشاعرہ قرار دیتے ہیں۔

نذیر فتح پوری کے مطابق پونہ میں جن مہمان شعراء کا قیام رہا ہے ان میں عدم، جوش، اختر الایمان، علامہ محوی صدیقی، علی سردار جعفری، ساغر نظامی، کیفی اعظمی، عالم فتح پوری، گیان چند جین، ضمیر کاظمی، ادیب مالیگانوی، منیر الہ آبادی، مجروح سلطانپوری، ہریش چندر دکھی، مظہر امام، قتیل شفائی، محمود درانی، عتیق احمد عتیق، استاد مائل لکھنوی، بلقیس ظفیر الحسن اور احسن رضوی دانا پوری وغیرہ جیسے شعراء کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ نذیر فتح پوری نہایت ہی لگن محنت اور صلاحیت سے ان تمام شعرا کی شخصیت اور فن کے ساتھ ساتھ پونہ سے ان کے علمی وادبی رشتے کو ایک نئی سمت عطا کر کے پیش کیا ہے جو ان کی محققانہ ذہن اور ان کی بالغ نظری کا پتہ دیتا ہے۔ کتاب کا دوسرا باب پونے کے مرحوم شعراء ہے۔ اس میں نذیر نے ۹۸ شعراء کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ جن میں یٰسین پیراں شاہ قادری، صوفی سرمست صفیہ، بڑے مرہم چھوٹے مرہم، شاد پونوی، حجازی میرٹھی، احقر جلگانوی، شاگرد غالب حکیم خداداد خان، وحشی میرٹھی استاد اندوری، ڈاکٹر عبدالحق، کالی داس گپتا رضا، ڈاکٹر عصمت جاوید، امان اختر، حنیف ساغر، نشتر اکبرآبادی، پورن کمار ہوش،

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

عادل پونوی اور اسیر پونوی وغیرہ کے نام نمایاں طور پر لئے جاسکتے ہیں نذیر، یٰسین پیراں شاہ قادری کو پونہ کا اولین شاعر قرار دیتے ہیں۔ وہ تاریخ اردو ادب پونہ ایک تحقیق کے مصنف مرزا تجمل قادری کا حوالہ دیتے ہوئے اُنہیں تصوف کا شاعر قرار دیتے ہیں اور انہیں عقیدت کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ شاگرد غالب حکیم خداداد خان کتاب کا اہم اور دلچسپ مضمون ہے۔ جس میں نذیر حکیم صاحب کو ایک زود گو شاعر قرار دیتے ہیں۔ جو ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کرتے تھے۔ یہ نذیر کی تحقیق و تفتیش اور کاوش پیہم کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے حکم خداداد خان کی ۶۴ نعتوں کا گرانقدر تحفہ مشہور میلا دخواں مرحوم قاسم صاحب کے فرزند جناب حسن اشرفی (مومن پورہ) کی وساطت سے حاصل کیا اور ان کی شخصیت اور ان کی نعت گوئی کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ ''شعرائے پونہ.....ایک تحقیق'' میں بڑے مرہم چھوٹے مرہم کے نام سے جو مختصر سا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ وہ بھی کئی دلچسپیوں کا حامل ہے۔ نذیر کے مطابق ان دو ہم مخلص بھائیوں کے کلام میں فکر کی بلاغت، جذبات کی شدت، زبان کی فصاحت اور کلام میں پختگی کا عنصر غالب ہے۔ بوستان مرہم اور دیوان مرہم کے نام سے ان کا کلام آج سے ۴۰۔۴۵ سال قبل شائع ہو چکا ہے۔ وہ پونہ کے ایک پختہ مشق اور ہر دلعزیز شاعر شاد پونوی جنہیں آفتاب دکن ابوالمعانی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے کے شعری اوصاف پر بھی بھرپور روشنی ڈالتے ہیں۔ خاک پونوی، جادو پونوی شفیق پونوی، شوق پونوی اور ممتاز پونوی کی شعری اور ادبی خدمات کو بھی نذیر یاد کرتے ہیں اور ان کا جائزہ بڑے انوکھے انداز میں پیش کرتے ہیں کالی داس گپتا رضا کو وہ اُردو شعر و ادب کے ساتھ ساتھ مصوری اور فن موسیقی کا زبردست دلدادہ قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ گذشتہ ۲۵ سال کے دوران رضا صاحب نے جتنی بھی شاعری کی وہ پونہ کی ہی دین ہے۔ وہ معروف شاعر ڈاکٹر عصمت جاوید کو ایک حقیقی شاعر قرار دیتے ہیں جو غزل کے میدان میں کما حقہ مہارت رکھتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عصمت بنیادی پر ایک افسانہ نگار تھے لیکن تحقیق تنقید اور لسانیات کے شعبے میں بھی ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ وہ ایک بہترین مترجم بھی تھے۔ انہوں

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

نے ترقی اردو بورڈ کے لئے بھی نہایت ہی مفید کام کیا ہے۔ نذیر فتح پوری کے مطابق عصمت جاوید گونا گوں علمی وادبی دلچسپی کے مالک تھے۔ جن کا ادبی کام ہمیشہ وقعت کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ نذیر، نور محمد پونوی کو مزاحیہ کا پہلا شاعر قرار دیتے ہیں۔ جنہوں نے پونے کے علمی وادبی حلقوں میں ایک نیا جوش پیدا کیا۔

نذیر فتح پوری کی اس تصنیف کا تیسرا باب پونے کے موجودہ شعراء پر مشتمل ہے۔ یہ باب حکیم رازی ادیبی سے شروع ہوکر رفیق قاضی کی شخصیت اور شاعری پر ختم ہوتا ہے۔ یہ باب اس کتاب کا اہم باب اس لئے ہے کہ نذیر نے اپنے معاصرین پر نہایت ہی بے باکی اور انہماک کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ اس باب میں بعض ایسے شعراء بھی نظر آتے ہیں جو علمی وادبی دنیا میں اہم مقام کے حامل ہیں۔

ہندی مراٹھی اور انگریزی کے شعراء، شعرائے پونہ۔ ایک تحقیقی کا آخری باب ہے۔ اس باب میں ان شعراء کے فن کا احاطہ کیا گیا ہے جو اردو زبان وادب کے ساتھ ساتھ ہندی، مراٹھی اور انگریزی زبان وادب پر بھی دسترس رکھتے ہیں۔

کتابیات پر نظر ڈالتے ہوئے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ نذیر فتح پوری نے نہ صرف شامل کتاب شعراء کا بخوبی سے مطالعہ کیا ہے بلکہ مختلف تنقیدی، تحقیقی اور عصری تحریروں کے صفحات کو بھی کھنگالا ہے۔ ان کی زبان صاف، شستہ اور پاک ہے۔ ان کی تحریروں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ادب کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں۔ بات میں سے بات پیدا کرنا ان کا خاصا رہا ہے۔ وہ جچے تُلے انداز میں بات کہنے کے قائل ہیں۔ نذیر فتح پور کا اسلوب نرالا ہے۔ وہ نہایت ہی دیانت داری سے شاعر کا مطالعہ کرتے ہیں اور پھر اپنے مشاہدے سے اس کے تجربے میں شامل ہوکر خاکہ تیار کرتے ہیں اور اس کے بعد صاف اور سلیس الفاظ کے سہارے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ ''شعرائے پونا۔ ایک تحقیق'' میں ان تمام چیزوں کو خاطر میں لانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ کتاب کا سرورق دیدہ زیب ہے اور قیمت مناسب۔

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

شام سے پہلے

ایاز رسول ایک مخصوص لب و لہجے کے شاعر ہیں۔ ''شام سے پہلے'' اُن کا دوسرا شعری مجموعہ ہے۔ اسے قبل..... کے نام سے اُن کا اوّلین شعری مجموعہ منظر عام پر آچکا ہے، جس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی۔ ''شام سے پہلے'' بھی ایاز کی شاعری کا عمدہ نمونہ پیش کرتا ہے۔ اس مجموعے میں اُن کی غزلیں اور نظمیں شامل ہیں، جو روح کی گہرائیوں میں اترنے کی قوت رکھتی ہیں۔

ایاز رسول کشمیر کے اُس ادبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جس کی جیوت اُن کے والدِ بزرگوار میر غلام رسول نازکی (مرحوم) نے بہت پہلے جلائی تھی، جو کشمیر کے سربرآوردہ شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ اُن کے بڑے بھائی فاروق نازکی بھی نئی اُردو شاعری کی پہچان بن چکے ہیں۔ ایاز کے دل میں بچپن سے ہی شعروادب کا چراغ روشن ہوا تھا اور اس چراغ کی لَو اب دُور دُور تک پھیلنے لگی ہے۔ جو ایک خوش آئندہ قدم ہے۔

ایاز نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو گھر میں لکھنے پڑھنے کا ماحول دیکھا۔ کبھی کبھی ان کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

والد کے احباب گھر میں وارد ہوکر کسی سنجیدہ ادبی بحث میں اُلجھ جاتے تھے اور کبھی چھوٹی بڑی محفلوں کا انعقاد کیا جاتا تھا۔ اُن کے قریبی احباب میں شیخ غلام علی بلبل کاشمیری، طاوس پانپوری، نند لال کول طالب، دینا ناتھ مست اور پنڈت شام لال ایمہ شام کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ نازکی صاحب میر کارواں کی حیثیت رکھتے تھے اور اپنی محنت لگن اور خداداد صلاحیت سے اپنے فن کا لوہا منوا چکے تھے، ایک خوشگوار علمی وادبی ماحول پیدا ہوگیا تھا۔ ایاز یہ سب کچھ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ شعروں کو سنتے رہے۔ ان کا آہنگ محسوس کرتے رہے اور شعر کے معنی ومفاہیم کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان تمام چیزوں کے اثرات انکے دل ودماغ پر مرتسم ہوتے گئے اور ایک دن انہوں نے بھی شعروادب کا دامن پکڑ لیا اور اچھے شعر کہنے لگے۔

ایاز نے شعر گوئی کا آغاز شروع سے ہی کیا تھا لیکن ابتداء میں وہ مشاعروں، علمی وادبی محفلوں اور رسائل واخبارات کے ذریعے سے منظر عام پر آنے سے گریز کرتے رہے۔ لیکن اپنے والد بزرگوار کی حوصلہ افزائی سے یہ جھجک جلد ہی دور ہوگئی اور وہ اس کے بعد بے تحاشہ لکھتے رہے اور نثر ونظم سے اُردو شعروادب کا دامن مالا مال کرتے رہے۔ اُن کے معاصرین میں مظفر ایرج رفیق راز، پرتپال سنگھ بے تاب، فاروق مضطر، اقبال فہیم، پریمی رومانی، نذیر احمد نظیر، رخسانہ جبین اور شجاع سلطان وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ ایاز کے پاس کلاسیکی شاعری کی روایت بھی تھی اور موجودہ دور کے شعراء کا نیا مزاج بھی، وہ میر، غالب، اقبال اور فیض کے مداح ہیں۔ ناصر کاظمی، منیر نیازی، ظفر اقبال، شہریار، بشیر بدر اور ندا فاضلی کا بھی وہ مطالعہ کرتے رہے۔ ماہنامہ شاعر اور شب خون کی شاندار روایت سے بھی وہ بخوبی واقف ہیں اور ان رسائل میں شائع ہونے والے ادب پاروں کا بھرپور مطالعہ کرنا ان کے لئے ناگزیز بن گیا ہے۔ ان رسائل نے ایک نئی روایت قائم کی تھی۔ جس کا واضح اثر نئے شعراء کے دِل ودماغ پر مرتسم ہوا اور ان کے ذہن کے دریچے کھل گئے۔ ایاز بھی اپنے معاصرین کی طرح اس روایت کو قبول کرنے اور اس کو تقویت دینے میں پیش پیش رہے۔ جس کا بین ثبوت

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اُن کا شعری مجموعہ ''شام سے پہلے'' کے اشعار میں یہاں وہاں موہوم صورت میں نظر آتا ہے۔ایاز کے پسندیدہ شاعر ظفر اقبال ہیں۔اُن کی اکثر غزلوں میں عصر حاضر کے شعراء کے رنگ کے ساتھ ساتھ ظفر اقبال کا رنگ بھی بخوبی پہچانا جاسکتا ہے۔انہیں اس بات کا بھی شدید احساس ہے کہ ظفر اقبال کا اپنا ایک منفرد رنگ ہے۔جس کا واضح اشارہ وہ اپنے اس شعر میں کرتے ہیں:۔

؎ اسی رستے ظفر اقبال گیا تھا اک دِن
وہ رہی اُس کی کھڑاوں کہاں جاؤ گے

ایاز رسول مصروف ترین پیشے سے وابستہ ہیں۔لیکن پھر بھی وہ اپنے فرائض منصبی سے وقت نکال کر شاعری کا دامن پکڑ لیتے ہیں اور قابل قدر شعروں سے گلستان علم وادب میں رنگ آمیزی کرتے ہیں۔اگر وہ شعر نہ کہتے تو ان کی زندگی میں ایک طوفان اٹھتا اور معلوم نہیں یہ طوفان ان کو کہاں لے جاتا۔اپنے ایک شعر میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں۔

؎ شعر کہتا نہیں اگر میں بھی
خرقہ پہنے قلندری کرتا

''شام سے پہلے'' کی شاعری غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے۔جن میں معنی آفرینی بھی ہے اور اثر انگیزی بھی، خیالات کی پاکیزگی بھی اور جذبات کی صداقت بھی، تازگی بھی اور عصری آگہی کا عرفان بھی۔اسی وجہ سے محمد یوسف ٹینگ، شاعر کی تعریف وتوصیف میں کچھ کہنے کی گنجائش محسوس نہیں کرتے۔ایک جگہ اپنی رائے زنی کا اظہار یوں کرتے ہیں:۔

''اس مجموعے (شام سے پہلے) کے شاعر کی تعریف
وتوصیف میں الفاظ کے اسراف کی ضرورت نہیں ہے۔اس کے
چند اشعار بلکہ مصرعے ہی رباب کے زخمے کی طرح طبیعت میں
سوز وساز کی کیفیت پیدا کرتے ہیں اور اپنے شعری رجحان کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اصلیت کو ثابت کرتے ہیں۔''

''شام سے پہلے'' میں شامل غزلوں میں فنی پختگی بھی ہے اور خیالات کی ندرت بھی۔ ایاز سادہ اور عام فہم الفاظ میں گہری بات کہنے کا گُر رکھتے ہیں۔ ان کی غزلوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ شاعری زندگی کے گوناگوں تجربات سے گذرے ہیں اور انہوں نے جو تجربات حاصل کئے ہیں وہ ان کو شعری زبان عطا کر کے پیش کرنے کے روادار ہیں۔ دیکھئے وہ اپنے اشعار میں کون سے پیکر تراشتے ہیں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے:۔

جینے مرنے کی یہ حقیقت ہے — موت بھی اک حیات ہے پیارے
سایا مجھ پر کسی کا ہے شاید — لوگ کہتے ہیں میں اثر میں ہوں
جو سمندر کو پی گئے دوریش — منہ سے بادل نکال سکتے تھے
پھر بھی پہنچے نہیں جزیروں تک — وہ سمندر بھی بے کراں گزرا

ایاز کی غزلوں کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں حسن و عشق کی نزاکتوں کا خاص امتزاج ملتا ہے۔ غم جاناں اور غم دوراں تو ان کی غزل کا ایک امتیازی موضوع ہے لیکن اس موضوع کو مؤثر الفاظ میں بیان کرنے کا منفرد انداز ایاز کے ہاں بدرجہ اتم ملتا ہے۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں:۔

پھر بھی پہنچے نہیں جزیزوں تک — وہ سمندر بھی بے کراں گزرا
ایک خوشبو ہوا کے جھونکے پر — عشق دُنیا میں عام کرنا تھا
شعر کہنے میں کیا ملا ہم کو — ڈھنگ کا کوئی کام کرنا تھا
پوچھتا تھا پتہ ترے گھر کا — اُس کو ہونا ہے دربدر شاید

ایاز رسول کی غزل تجربے کی وسعت اور لہجے کی عمق سے آراستہ ہے۔ شام سے پہلے میں شامل غزلوں میں گہرائی بھی ہے اور گہرائی بھی کیف و سرمستی بھی اور روانی اور تہہ داری بھی اس طرح سے ایاز کا قلندرانہ مزاج ان کے فن کو اور بھی وسعت عطا کرتا ہے۔ وہ شعر میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

رنگ آمیزی کرتے ہیں اوراس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر عتیق اللہ، ایاز کے شعری مجموعے شام سے پہلے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''ایاز رسول نے بڑی قلندرانہ طبیعت پائی ہے۔ ان کی غزل کے یوں تو کئی Shades ہیں۔ لیکن اُن کی آپ بیتی کا شیڈ بڑا دلاویز ہے۔ غزل کا شاعر بالعموم روایت کا مارا ہوتا ہے روایتی مضامین اور روایتی اسالیب اس کے ذہن پر آسیب کی مانند سوار رہتے ہیں۔ ایاز رسول کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنی بات اپنی زبان میں ادا کرسکیں۔''

ایاز رسول کی شاعری کا ایک اہم موضوع کشمیر رہا ہے۔ وہ کشمیر سے والہانہ محبت رکھتے ہیں۔ ان کی غزل میں یہ موضوع ایک نئی آن بان کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ ایاز کی بعض غزلوں میں کشمیر کے موسموں اور آبشاروں، جھیلوں، اور ہرے بھرے پہاڑوں، دریاؤں اور کھیتوں کا حسن ملتا ہے۔ یہ موضوع ان کی غزل کو وسعتِ بیکراں سے ہمکنار کرتا ہے۔ ان کی غزل میں کشمیر کا ذکر براہ راست بھی ملتا ہے اور وہ اشاروں کنایوں اور علامتوں کے ذریعے سے بھی اپنے اس محبوب موضوع کو برتنے کے روادار ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں:۔

پگھلتی ہوئی برف یہ کہہ رہی ہے
کہ موسم کا پہلا شگوفہ کھلا ہے
برف گرنے کا ہے منظر دیکھنا
ہر طرف ہے سنگ مرمر دیکھنا
ڈل کے پانی میں عکس کس کا ہے
آئینے پر وہ آئینہ ہوگا

۱۹۹۰ء میں رونما ہوئے کشمیر کے دلدوز واقعات کون بھول سکتا ہے۔ ان حالات کے بھنور میں آکر یہاں کی آبادی کا خاصا حصہ ہندوستان کے دوسرے شہروں میں پناہ لینے پر مجبور

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہوگیا۔ایاز بھی انہی ستم رسیدہ لوگوں میں سے ہیں۔وہ جموں میں اقامت پذیر ہیں لیکن کشمیر کی محبت ان کے دِل ودماغ میں بسی ہوئی ہے۔وہ کشمیر میں امن اور خوشحالی اور ترقی دیکھنے کے متمنی ہیں دیکھئے وہ کشمیر سے بچھڑ جانے کا احساس کیسے دلاتے ہیں:۔کہتے ہیں:۔

ہم کو بچھڑے کتنے گزرے سال بتادوں اے کشمیر
تیرے سولہ میرے سولہ ہوتے ہیں بتیس برس

ایاز نے اس شعر میں کتنی گہری بات کہی ہے اور نئے انداز سے اپنے جذبے کو زبان دی ہے۔افتخار امام صدیقی، ایاز کے اس طرح کے جذبے کا احساس دلاتے ہوئے ''شام سے پہلے'' کے سرنامے میں لکھتے ہیں:۔

''اس ایک شعر میں کشمیر کی پوری سیاست کل، آج سب کچھ سما گیا ہے۔غزل کا یہی تو کمال ہے کہ ریزہ خیالی کے باوجود دو مصرعوں میں کائنات بھر خیال، ایک وسیع تر رنگا رنگ کینوس بن جاتا ہے۔''

اپنے ایک اور شعر میں اپنی مٹی سے کٹ جانے کا احساس یوں دلاتے ہیں:

ہم جو کشمیر سے نکلے ہیں تو جموں ٹھہرے
دشتِ غربت میں کہیں پر تو ٹھکانا ہوگا

کشمیر کی خوشنما بہاروں اور اس کے موسموں کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

ہم شب وروز سلگتے ہیں اگر دوری میں
میرے کشمیر کا موسم تو سہانا ہوگا

ایاز رسول اپنے اس شعر میں سیاست کے ٹھیکہ داروں پر طنز کرتے ہیں کہ اگر کشمیر کا مسئلہ ان سے حل نہیں ہوسکتا ہے تو یہ مسئلہ ادیب شاعر اور دانشور پر چھوڑ دیا جائے۔وہ آپسی رقابت دور کرنا چاہتے ہیں اور امن اور شانتی کے لئے دعا کرتے ہیں۔ان کا یہ شعر دیکھئے جو ان باتوں کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔کہتے ہیں:۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہم پہ کشمیر چھوڑ دیتے وہ
اس کا ہم حل نکال سکتے تھے

ایاز نے بعض دوسرے موضوعات کو بھی اپنی شاعری کا محور بنایا ہے۔ انہوں نے عشق حسن، حیات، کائنات، اور زندگی کے بارے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جن کی اہمیت مسلم ہے۔

''شام سے پہلے'' میں بعض فکر انگیز نظمیں بھی ملتی ہے۔ اگر چہ یہ نظمیں تعداد کے لحاظ سے کم ہیں۔ لیکن ان نظموں میں بھی تجربوں کی بوقلمونی ملتی ہے۔ ایاز کی نظموں میں احساس کا تیکھاپن بھی ہے اور برجستگی بھی، شدت بھی اور تاثر بھی۔ یہ نظمیں رنگارنگ موضوعات پر ڈال ہیں اور اپنا ایک الگ اور انفرادی انداز رکھتی ہیں۔ اعتراف، دکھا بھی نہ سکوں، اگر ایک آواز، تازہ سراب، اکیسواں جنم دن، ڈل اور مرمر گیت وغیرہ جیسی ایاز کی نظمیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ایاز اگر چہ غزل گو شاعر ہیں لیکن اُن کی نظمیں بھی شدت احساس سے معمور ہیں۔ ''مرمر گیت'' ان کی ایک ایسی کوشش ہے۔ جس سے انسان کے داخلی کرب کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نظم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نظم کا بار بار مطالعہ کرنے سے احساس کی نئی پرتیں کھل جاتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسان نیند کی وادیوں میں کھو گیا ہے اور مسلسل ایک خواب دیکھتا ہے اور یہ وہ خواب ہے جو اس کی زندگی کا سارا نقشہ سامنے لاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ شاعر کس اضطراب میں ہے۔ اس نے زندگی میں کیا کھویا ہے اور کیا پایا ہے۔ مرمر گیت، ایک گیت نما نظم ہے۔ جس میں انسانی زندگی کا سارا درد و کرب سمٹ کے آیا ہے۔ نظم کا یہ بند ملاحظہ کیجئے۔

مر مر کی وہ مورت جیسی
مر مر کا ہے اُس کا گھر
مر مر کی ہیں سب دیواریں
مر مر کے ہیں بام و در

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

مرمر کا ہے آنگن اُس کا
مرمر کے ہیں سب پتھر
مرمر کے ہیں اک تالاب
مرمر کے ہیں وہ بطخ
مرمر کے ہیں وہ گملے
مرمر کے ہیں وہ پودے
مرمر کے ہیں سارے پھول
مرمر کے ہیں اس کے پیڑ
مرمر کے ہیں ان کے پھل
مرمر کے ہیں سب پنچھی
مرمر کے ہیں اُن کے پَر
مرمر کا ہے اُس کا چاند
مرمر کے ہے اُس کی دھوپ

''دکھا بھی نہ سکوں'' ایاز رسول کی ایک اور نمائندہ نظم ہے۔ اس میں وہ خود اپنے آپ کو تلاش کرتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے شور وغل میں گم ہو گئے ہیں۔ اُن کی شناخت ختم ہوگئی ہے۔ وہ مسلسل تگ ودو میں لگے ہیں اور اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش کررہے ہیں۔ اُن کی یہی پہچان اُن کا قیمتی اثاثہ ہے۔ اس اثاثے کی حفاظت کرنا اُنہوں نے اپنا شعار بنایا ہے۔ یہ نظم ایک مربوط کہانی ہے جس میں تسلسل ہے۔ نظم کا آخری حصہ قابل غور بن جاتا ہے جب وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے وہ دور ہے اتنی کہ دکھا بھی نہ سکوں۔

نظم ''تازہ سراب'' بھی ایاز کی ایک ایسی ہی کوشش ہے۔ جس میں وہ زندگی کی نئی الجھنوں کو روندتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ شہر در شہر گھومنے لگتے ہیں۔ ہر شہر اجنبی ہو کے بھی اُن کو اپنا شہر لگتا ہے۔ لیکن اس خود غرض دُنیا میں اپنے بھی پرائے ہو جاتے ہیں۔ کوئی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

کسی کا نہیں دکھائی دیتا ہے بلکہ ہر سمت سراب ہی سراب نظر آتا ہے۔ اپنی اسی نظم میں وہ ایک جگہ ان جذبات کو یوں زبان دیتے ہیں:۔

ہر نئے شہر میں کیا کیا نہ اُمیدیں باندھیں
بات پہلے بھی جہاں بات وہیں ہے اب بھی
روز اک شہر گزرتا ہے مرے پاؤں تلے
زندگی آج بھی تو ہے کسی صحرا کی طرح
ہر نیا شہر کہ ہے آج بھی اک تازہ سراب

(تازہ سراب)

''اعتراف''، ''ایک آواز'' اور ''اگر'' بھی ایاز رسول کی عمدہ نظمیں ہیں۔ ان نظموں میں بھی عصر حاضر کے انسان کی تنہائی، محرومی، بے چہرگی اور لاچاری کا احساس ہوتا ہے۔ شام سے پہلے میں ایاز کے دو قطعات بھی ملتے ہیں جن کے شعری اہمیت مسلم ہے۔ لیکن وہ بنیادی طور پر غزل گو شاعر ہیں اور غزل میں ہی ان کی شاعرانہ انفرادیت جھلکتی ہے۔ اور یہی کیا کم اہم ہے۔

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

قہر نیلے آسمان کا

ریاست جموں وکشمیر میں اُردو افسانہ نگاری کا آغاز پریم ناتھ پردیسی کے افسانوں سے ہوتا ہے۔ پردیسی پہلے کہانی کار تھے جنہوں نے ریاست میں اُردو افسانے کو انسانی زندگی سے ہم کنار کیا اور اس میں نئے نئے رنگ بھر دیئے۔ اسی لئے انہیں کشمیر کے پریم چند کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ پردیسی کے بعد افسانہ نگاروں کی ایک کہکشاں ہے جنہوں نے ریاست میں اُردو افسانہ نگاری کے گیسو سوارنے میں سرگرم حصہ لیا، اُن میں پریم ناتھ در، رامانند ساگر، موہن یاور، ٹھاکر پونچھی، کشمیری لال ذاکر، حامدی کاشمیری، پشکر ناتھ، نرسنگھ داس نرگس، برج پریمی، دیپک کول، تیج بہادر بھان، مخمور بدخشی، اُمیش کول، نور شاہ، مالک رام آنند، شبنم قیوم، عمر مجید وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ ان افسانہ نگاروں کے ساتھ ساتھ جن خواتین افسانہ نگاروں کا قافلہ سامنے آیا۔ ان میں شہزادی کلثوم، منظورہ اختر، زرینہ اختر، رابعہ دلشاد، ڈاکٹر نسیم جہاں، نیلوفر، فرحت آرا حیدری، ایم نساء واجدہ تبسم (کشمیری)، ترنم ریاض، نصرت چودہری، زنفر کھوکھر وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ان خواتین افسانہ نگاروں نے مرد افسانہ نگاروں کے شانہ بہ شانہ چل کر ریاست میں اردو افسانہ نگاری کو ایک نئی سمت عطا کی۔ سیدہ نکہت فاروق ایسے ہی خواتین افسانہ نگاروں کی صف میں نمودار ہوئیں اور بہت ہی قلیل مدت میں اپنی محنت لگن اور صلاحیت سے اپنی پہچان منوائی۔

نکہت یوں تو شاعرہ کی حیثیت سے ریاست کے ادبی اُفق پر ظاہر ہوئی لیکن مجھے کئی ادبی محفلوں میں ان کے افسانوں سے لطف اندوز ہونے کا موقعہ فراہم ہوا۔ ان کے افسانوں میں بھی ان کی شاعری کی طرح رنگ آمیزی ملتی ہے اور یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ وہ ایک باصلاحیت شاعرہ ہیں یا افسانہ نگار۔ نکہت نے افسانہ نگاری کا آغاز ۱۹۸۸ء سے کیا لیکن انہوں نے اپنی پہچان ۱۹۹۰ء کے بعد منوائی۔ ان کے افسانے قابل قدر رسائل میں شائع ہونے کے ساتھ ساتھ ریڈیو سے بھی نشر ہوتے رہے۔ وہ بعض افسانے کئی ادبی نشستوں اور سے میناروں میں بھی پیش کر چکی ہیں اور قارئین سے داد حاصل کر چکی ہیں۔

''قہر نیلے آسمان کا'' سیدہ نکہت فاروق کا اوّلین افسانوی مجموعہ ہے جس کا مسودہ اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس میں اُن کے ۱۳/افسانے شامل ہیں۔ ہر افسانہ ایک نئی صورتحال لے کر سامنے آتا ہے اور پڑھنے والوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرتا ہے۔

نکہت کے افسانے سیدھے سادے افسانے ہیں۔ ان میں کوئی بناوٹ نہیں اور نہ کوئی پیچ وخم ہے بلکہ کہانی خود بہ خود ارتقائی منزلوں سے گذر کر نقطۂ عروج پر پہنچ جاتی ہے اور ایک پہاڑی ندی کی طرح رواں دواں چلتی ہے۔ نکہت نے یوں تو رومانی قصوں اور کہانیوں سے افسانہ نگاری کا آغاز کیا لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اُن کے فن میں پختگی آنے لگی۔ وہ معنی خیز اور دلچسپ کہانیاں لکھنے میں مصروف عمل ہیں۔ ان کی کہانیوں میں شباب کی توبہ شکن سرمستیاں بھی ہیں اور گھریلو زندگی کے مسائل کی تصویر کشی بھی، وادی میں ہونے والی خونریزی، قتل وغارت، بربریت اور درندگی کا ہولناک منظر بھی اور محبت اور جوانی کے لطیف جذبات کی عکاسی بھی، عصر حاضر میں ہونے والی بدعنوانی، رشوت خوری اور استحصال بھی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اور بھوک کی تڑپ سے بلکتے ہوئے انسانوں کی داستان بھی، شادی بیاہ میں جہیز اور لین دین کے خلاف آواز بھی اور مزدوروں اور محنت کش عوام کی تڑپ بھی اور پریشانی بھی۔ پروفیسر بشیر احمد نحوی، نکہت کے افسانوں کا جائزہ لیتے ہوئے بعض عمدہ باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ''میں نے نکہت فاروق صاحبہ کے تین افسانے دیکھئے اور ان کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوا کہ افسانہ نگار اپنے گرد وپیش کے حالات کی سنگینی کا گہرا شعور رکھتی ہے۔ وہ فرد اور جماعت کی نفسیات کا احاطہ کرتے ہوئے اسے یاسیت سے نکال کر اُمید اور روشنی کی منزلوں کی نشاندہی کرتی ہے۔''

اس اقتباس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ نکہت کا شعور بالغ ہے اور وہ اپنے ذہن کی بالیدگی سے افسانے میں رنگ آمیزی کرتی ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں خواتین کے مسائل اُجاگر کر کے بہن، بہو، ماں، ساس اور نند کی نمائندگی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود ایک باہمت خاتون ہیں، ان کے مطابق عورت حسن بھی ہے اور بہار بھی، پیار بھی ہے اور ممتا بھی، دوا بھی ہے اور دُعا بھی، عزت بھی ہے اور وقار بھی ـــــ اُنہیں ایسی خواتین سے شدید نفرت ہے جنہوں نے اپنی نیچ اور پست حرکتوں سے سماج میں آلودگی پیدا کردی ہے اور عورتوں کا نام بدنام کیا ہے۔ وہ صاف ستھرا سماجی نظام چاہتی ہیں اور ایک حسن اور پاک دامن عورت کا خواب دیکھنے کے متمنی ہیں۔ دیکھئے اپنے افسانے عرشی میں عورت کے درد، اُس کی تڑپ، اُس کی کشمکش اور اُس کی تمناؤں اور آرزؤں کا نیلام ہونے پر کیسے آہ وزاری کرتی ہیں۔

> ''لیکن شاید پندرہ برس قبل میری مانگی گئی دعاؤں میں اثر نہ تھا کیونکہ عرشی کی تقدیر پر وقت کی کروٹ نے سیاہی بکھیر دی تھی۔ زندگی کی بھیانک مشکل کا اندازہ مجھے تب ہوا جب عرشی میرے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

سامنے ایک ذہنی فریضہ کی شکل میں تھی۔ بدبُو دار پھٹے کپڑے۔
برسوں کے گندے اُلجھے بالوں میں لمبے اور میلے ناخنوں والی
انگلیاں ـــــــ نچلا ہونٹ زرد دانتوں میں دبایا ہوا ـــــــ
جیسے کسی کشمکش میں مبتلا ہو۔ یہ عورت عرشی ہی تھی۔ وہی عرشی جو
پری جیسی خوبصورت۔ رنگ ایسا کہ ہاتھ لگاؤ تو میلہ ہو جائے لیکن
ـــــ لیکن اب تو اُس کے حسن کے چاند کو گرہن نے آگھیرا اور نیلی
آنکھوں میں خوف کے سائے تھے ـــــ زبان پر صرف ایک جملہ
تھا..... وہ آئے گا مجھے لینے لیکن ـــــــ'' (ص ۱۹)

''آدھے ادھورے لوگ'' کشمیری پنڈت خاتون رجنی کی کہانی ہے۔ جس کا ڈیجھور اُس کے کانوں سے الگ ہو کر وقت کے قمقمے میں کھو گیا ہے۔ ڈیجور جو اُس کی پہچان تھی۔ اُس کے سہاگ کی نشانی تھی۔ اس کا غائب ہو جانا بدشگون مانا جاتا ہے۔ لیکن نکہت نے اس علامت کو جس خوش اسلوبی سے اپنے افسانے میں پیکر تراشی کی ہے۔ اس کی داد نہ دینا کور ذوقی ہوگی۔ نکہت کشمیر میں پلی بڑھی اور پروان چڑھی۔ اس لئے کشمیری پنڈتوں کے رسم ورواج سے واقف ہیں۔ وہ ڈیجھور کی اہمیت اور افادیت سے بھی بخوبی آشنا ہیں۔ ڈیجھور سے نہ صرف وہ رجنی کی ہی وکالت کرتی ہیں بلکہ تمام پنڈت خواتین کی نمائندگی بھی کرتی ہیں۔ وہ رجنی کے بکھرتے ہوئے خوابوں کو سمیٹنے کی کوشش کرتی ہیں اور اُس کے دِل میں اُمید کی کرن پیدا کرتی ہیں۔ دیکھئے اس افسانے میں کیسے وہ ایک ایسی عورت کی داستان پیش کرتی ہیں جو زمانے کے چیرہ دستیوں کی شکار ہوتی ہے۔

''پھر مدت تک رجنی ہاری پربت کے ایک ایک پتھر کے
نیچے اپنے ڈیجھور کو ڈھونڈتی رہی۔ یہاں تک کہ اس کی اُنگلیاں
گھس گئیں اور آنکھیں پتھرا گئیں۔ لیکن ڈیجھور نہ ملا ـــــــ شاید
اس کو آسمان کھا گیا تھا یا زمین نگل چکی تھی ـــــــ رجنی ایک دِن

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

——— اپنا آدھا ادھورا شریر لے کر ہاری پربت سے نیچے اُتری
اور مخدوم صاحب کی زیارت کے منچلے زینے پر بیٹھ گئی۔ آج بھی
اس کی پتھرائی آنکھیں ہاری پربت کے پتھروں کو چیرتی ہوئی ماں
شاریکا سے یہی سوال پوچھ رہی ہیں۔'' (ص۔۳۱)

اور اب اُن کے افسانے ''تار تار آنچل'' کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ کیجئے، جس میں ایک اور زمانے کی ستائی ہوئی متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والی خاتون کی سرگذشت بیان کی گئی ہے۔ جس کو مہندی رچے ہوئے ہاتھوں کے باوجود بھی شادی کا خواب پورا نہیں ہوسکا اور اُس کا ست رنگی ڈوپٹہ سماج کے ٹھیکیداروں کے ہاتھوں تار تار ہوا۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے:۔

'' شام ہونے کو آئی۔ ناہید نے اپنی بُوا کے ساتھ مل کر
ساری تیاریاں مکمل کرلیں زعفرانی قہوہ سماوار میں اُبل رہا تھا۔
محلے کی تمام لڑکیاں اور عورتیں جمع ہوگئیں تھیں۔ ناہید کو بیچ میں بیٹھا
کر بال کھولنے کی رسم ادا کی جارہی تھی ناہید کچھ پریشان سی تھی۔
بُوا سے مخاطب ہوئی بھائی جان ابھی تک نہیں آئے ارے ناہید،
آرہا ہوگا۔ تو بس اپنے ہاتھ آگے کر اور مہندی لگوا۔ نہیں تو پھر
رچے گی نہیں۔'' بوا ناہید کے ہاتھ کھینچتے ہوئے بولی ——— گانے
کی آواز کے ساتھ ہی ناہید کے گورے ہاتھوں میں مہندی لگنی
شروع ہوئی اور ناہید کا ذہن مستقبل کے رنگوں کے سمندر میں نہ
جانے کہاں کہاں بھٹکتا رہا۔'' (ص۷۱)

نکہت کے افسانوں میں معاشرے کا کرب اپنے پورے شد و مد کے ساتھ اُبھر کر سامنے آیا ہے۔ ان کے افسانوں میں انسانی رشتوں کی پامالی فرد کی مایوسی اور محرومی، سماجی نظام کی بدحالی اور قدروں کو شکست و ریخت کا بخوبی احساس ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ان کے افسانے اور زمین جاگ اٹھی، موت کا فرشتہ، ریزہ ریزہ وجود، شفق رنگ شباب اور سراب

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

پیش کئے جاسکتے ہیں۔ یہ تمام افسانے اپنے اندر گہرا ادراک رکھتے ہیں اور قاری کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ ان افسانوں کے پلاٹ مکمل اور مربوط ہیں۔ افسانہ نگار نے اپنے پورے فنکارانہ چابکدستی سے ان افسانوں میں نئے رنگ بھر دیئے ہیں۔ ان میں سے بعض افسانوں میں فضا آفرینی ملتی ہے۔ نکہت نے نئی ڈگر پر چلنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم وہ پریم چند سے بھی متاثر ہیں اور کرشن چندر، عصمت، بیدی اور منٹو بھی ان کے زیر مطالعہ رہے ہیں۔ سریندر پرکاش، انتظار حسین اور انور سجاد کے افسانے بھی وہ پڑھتی رہی ہیں۔ دراصل نکہت نے نہ تو روایت کا دامن ترک کیا ہے اور نہ وہ جدید افسانے سے مرعوب ہیں۔ انہوں نے بیچ کا راستہ اختیار کر کے عام انسان کی زندگی کے نشیب و فراز پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ تجریدی افسانے بھی لکھتی ہیں۔ لیکن وہ جدیدیت کے نام پر قاری کو گمراہ نہیں کرتی بلکہ کرداروں کے تانے بانے سے عام انسانی کہانیاں صفحۂ قرطاس پر اُتارتی ہیں۔ دیکھئے ایک واضح اور تلخ حقیقت کو اُنہوں نے اپنے افسانوں میں کیسے زبان دی ہیں:۔

> ''آسمان پر شفق پھیلاتا ہوا سورج اپنے آخری پڑاؤ پر تھا اور شفق لہو رنگ آسمان پر ڈوبتے سورج کو الوداعی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اکثر یہ منظر دیکھتی اور اُداس ہو جاتی ـــــ سورج کے ڈوب جانے پر اُس کے دِل میں کسک سی اُٹھتی اور اُسے ایسا لگتا کہ کوئی عزیز اُسے بچھڑ گیا ہو ـــــ وہ جانتی تھی کہ یہ سورج قدرت کے قانون کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ـــــ اپنی ہی دھن میں مگن ـــــ سود و زیاں کو بھول کر ـــــ بس روشنیوں کی دکان سجائے بیٹھا ہے۔ بنا معاوضے کے برابر کی روشنیاں بانٹتا ہوا کسی تفریق کے بغیر فقیر شہر کے جھونپڑے سے لے کر قصر شہنشاہی تک ایک ہی جیسی کرنوں کی بارش ـــــ روشن روشن کرنیں ـــــ شفق کے دِل میں اکثر ایک ننھی سی خواہش اپنا سر اُبھارتی۔'' (ص ۹۲)

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

نکہت کے کردار جانے پہچانے کردار ہیں۔ وہ اسی سماج کے پروردہ ہیں اور ہمارے اردگرد گھومتے رہتے ہیں۔ موت کے فرشتے کا زاہد، تارتار آنچل کی ناہید اور ظفر، ریزہ ریزہ وجود کا وسیم، سراب کی رخسانہ بیگم، ویرانیاں کی اسمابی بی، قہر۔ نیلے آسمان کا، کی اسما اور رشید، آدھے ادھورے لوگ کی رجنی، زمین جاگ اٹھی کا سلامہ اور وحید، ایک خواب ادھورا سا کی ثریا، نکہت کے ایسے کردار ہیں جن کے ذریعے سے وہ انسانی زندگی کے مسائل کو زبان دے کر قارئین کے سامنے پیش کرتی ہیں۔

نکہت کے فن میں ایک اہم چیز پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ عام انسانی زندگی سے پلاٹ اخذ کرتی ہیں۔ وہ اپنے آس پاس رہنے والے انسانوں کی بات کرتی ہیں۔ ان کی زبان ثقالت سے پاک ہے۔ وہ آسان اور عام فہم الفاظ استعمال کرنے کی قائیل ہیں۔ اُن کے مکالمے چست ہوتے ہیں۔ اُن کے ہاں اُردو کے ساتھ ساتھ ہندی کے میٹھے اور سلجھے ہوئے الفاظ کا استعمال بھی ملتا ہے اور وہ خوش نما تراکیب کا سہارا لے کر اپنے افسانوں میں رنگ آمیزی کرتی ہیں ان کے ہاں توازن اور اعتدال پایا جاتا ہے۔ جو ان کے خوش آئندہ مستقبل کی ضمانت ہے۔

'قہر۔ نیلے آسمان کا' میں تشبیہات اور استعارات کا برمحل استعمال ملتا ہے۔ خوبصورت علایم اور تراکیب بھی ان کے افسانوں میں کہیں کہیں نظر آتی ہیں۔ جملوں کی ساخت اور الفاظ کا استعمال بھی قابل تعریف ہے۔ چند مثالیں:۔

وفا کی خوشبو، خیال لہر بن کر آنا، سانسوں کے چراغ ٹمٹمانے لگے، آفتاب کی تپش سے بادل کا ٹکڑا پگھل گیا، بے چہرگی کا کرب، ہوا کے پردہ پر سوار کائنات، جذبوں کی ننھی موجیں، عزم ریت کی طرح بکھر جاتا، قربیوں کے ٹھہرے ہوئے لمحے اور محبت کی ایسی پناہ گاہ وغیرہ نکہت کے افسانوں میں بعض تراکیب اور جملوں کی ساخت کے چند نمونے ہیں۔ جن سے ان کی صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے بعض افسانے بے جا طوالت اختیار کر گئے ہیں۔ مختصر الفاظ میں بات کہی جائے تو اس میں کتنی تاثیر اور شدت

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہوتی ہے۔ اگر اسی بات پر زیادہ سے زیادہ الفاظ خرچ کئے جائیں تو یہ شدت کم ہو جاتی ہے اور فن پارے کا حسن ماند پڑتا ہے۔ لیکن اس کے باوصف سیدہ نکہت فاروق ایک باصلاحیت افسانہ نگار ہیں۔ اگر وہ اسی لگن محنت اور دلچسپی سے افسانے تخلیق کرتی رہیں تو عنقریب ہی ریاست کی خواتین افسانہ نگاروں میں اپنا منفرد مقام متعین کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

میں اس باصلاحیت خاتون افسانہ نگار کا ادبی دُنیا میں خیر مقدم کرتا ہوں۔

۱۳ر دسمبر ۲۰۰۶ء

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

چاند لمس گلاب

پونچھ بھی ریاست جموں وکشمیر کے مختلف اضلاع کی طرح شعروادب کے لحاظ سے مردم خیز رہا ہے۔ یہ ضلع اگر چہ ریاست جموں وکشمیر کے دُور افتادہ اضلاع کے زمرے میں آتا ہے لیکن سیاسی اور ثقافتی سرگرمیوں میں ریاست کے کسی بھی دوسرے ضلع سے کم تر درجہ نہیں رکھتا۔ قدرت نے اس ضلع کو بے پناہ حسن اور خوبصورتی سے مالا مال کیا ہے۔ شعروادب کے میدان میں چراغ حسن حسرت، ٹھاکر پونچھی، دینا ناتھ رفیق جیسے قلم کاروں کے ناموں سے کون واقف نہیں جنہوں نے اپنے ادبی کارناموں سے تاریخ ادب میں بلند مقام پیدا کیا۔ اُردو کے عظیم افسانہ نگار کرشن چندر نے اپنے بچپن کے بے فکر لمحات پونچھ کی سرسبز اور شاداب وادیوں میں گذارے، جہاں ان کے والد سالہا سال تک ڈاکٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ اس طرح سے ریاست جموں وکشمیر کا یہ حصہ شروع سے ہی ادبی وثقافتی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ عصر حاضر میں اس روایت کو آگے بڑھانے میں جو قلم کار پیش پیش ہیں ان میں خوشدیو مینی، جاوید راہی، لیاقت جعفری اور شیخ سجاد حسین کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ساتھ ساتھ درجنوں نو آموز قلم کاروں کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ جو خون جگر کی آمیزش سے اُردو شعر و ادب کی آبیاری کر رہے ہیں۔ پرویز مانوس کا نام ایسے ہی قلم کاروں کی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

پرویز شاعر بھی ہیں اور افسانہ نگار بھی۔ ان کی شاعری کے ساتھ ساتھ ان کے افسانے بھی اُردو کے مختلف اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا بہت ہی مشکل ہے کہ وہ ایک اچھے شاعر ہیں یا اچھے افسانہ نگار کیونکہ وہ ان دونوں اصناف میں اپنے خیالات کا بھرپور اظہار کرتے ہیں لیکن شاعری سے انہیں فطری لگاؤ ہے۔ پرویز غزل اور نظم کے ساتھ ساتھ ہیکو میں بھی اپنے خدمات کا اظہار کرتے ہیں۔ چاند لمس گلاب ان کا اوّلین شعری مجموعہ ہے۔ جو دیدہ زیب سرورق کے ساتھ کوفی پرنٹرس سرینگر سے جولائی ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔ ترتیب کار درخشاں پرویز نے یہ شعری مجموعہ نہایت ہی لگن محنت اور صلاحیت سے ترتیب دیا ہے۔ مجموعے کے آغاز میں ڈاکٹر فرید برہتی لکھتے ہیں:۔

> ''پرویز مانوس کی شاعری کی بڑی خصوصیت جس سے کسی بھی وقت صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا ہے، وہ ترنم ریزی اور مصرعوں کی سلاست ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے نامانوس اور غیر مطبوعہ اوزان سے بہت حد تک احتراز کیا ہے جو اُردو شاعری میں زیادہ مترنم اور خوش آہنگ مانے جاتے ہیں۔''

'چاند لمس گلاب' کا آغاز حمد سے ہوتا ہے، جس میں مانوس خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اُن کی بارگاہ میں سربہ سجود ہو جاتے ہیں۔ وہ نہ صرف خود اپنے لئے بلکہ کائنات کے ہر انسان کی فلاح و بہبود کے لئے دُعا مانگتے ہیں۔ اس کے بعد غزلوں کا حصہ شروع ہوتا ہے۔ اس حصے میں مانوس کی 37 مختصر اور طویل بحور میں غزلیں شامل ہیں۔ پرویز کی غزل پر بات کرنے سے پہلے دورِ حاضر کے معروف شاعر جناب حکیم منظور کے اُس اقتباس پر غور کرنا لازمی بن جاتا ہے جو چاند لمس گلاب کے پشت پر نظر آتا ہے۔ موصوف رقمطراز ہیں:۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

''پرویز مانوس کو شعر کہتے ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔
میں نے اُن کا کلام قومی سطح کے مختلف رسالوں میں دیکھا تو حیرت
ہوئی کہ مختصر سے تجربہ کے باوصف انہوں نے اتنے اچھے شعر کہے
ہیں کہ ان کی ایک شناخت قائم کرنے کے لئے کافی ہیں
ایمانداری کی بات ہے کہ ان کے یہاں ایک سوچے ہوئے ذہن
،ایک جھلکتی ہوئی فکر ایک تازہ دم مشاہدے اور زبان کی پختگی کے
اوصاف وجود منواتے ہیں۔ان پر ان حالات اور سانحات کا اثر
بہت گہرا لگتا ہے۔ جو اس بدقسمت وادی پر پچھلے کئی برسوں سے
محیط ہے۔ جسے دُنیا جنتِ بے نظیر کہتی ہے۔''

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرویز ایک باصلاحیت شاعر ہیں۔انہوں نے قلیل مدت میں ریاست کے تازہ دم شاعروں میں اپنی محنت اور لگن سے اپنی شناخت قائم کی ہے۔ان کی غزلوں میں جہاں ایک طرف انسانی زندگی کا پورا درد سمٹ کے آیا ہے وہاں دوسری طرف زمانے کے تیزی سے بدلتے ہوئے اقدار کا احساس بھی ہوتا ہے۔ بظاہر پرویز ایک رومانی شاعر ہیں لیکن انہوں نے اپنی غزلوں میں زندگی کے بعض ایسے نقطے اُبھارے ہیں جو نہایت ہی فکر انگیز ہیں۔ان کے خیالات میں رفعت ہے اور ان کے قلم میں سلاست اور روانی ہے۔وہ معمولی سے معمولی خیال کو بھی الفاظ کے دروبست سے زبان دے کر بیان کرنے کے قائل ہیں۔اس ضمن میں اُن کے درج ذیل اشعار پیش کئے جاسکتے ہیں۔

اُجالے کے لئے کافی ہیں تیری یاد کے جگنو
ہوا نے اس لئے شاید چراغوں کو بجھایا ہے
لہو کی بارشوں کے زہر کی فصلیں اُگالی ہیں
مگر الزام تو اس گاؤں کے دہقاں پہ آیا ہے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

شجر سب کاٹ کر اب پوچھتا ہے ہم سے وہ ناداں
جُھلستا جا رہا ہو دھوپ میں کیا کوئی سایا ہے
تشدد کے زمانے میں ہمارا حوصلہ دیکھو
تعصب کی زمین پر پیار کا پودا اگایا ہے

پرویز کی ایک اور غزل کے بعض ایسے اشعار بھی سامنے آتے ہیں جن میں احساس کی گرمی بھی ہے اور جذبے کی شدت بھی۔ اس میں گیت کی لوچ بھی ہے اور نغمگی بھی اور شیرینی بھی۔ ہندی اور اُردو کی آمیزش سے اس گیت نما غزل میں رس اور گھلاوٹ پیدا ہوگئی ہے پرویز نے اس غزل میں مترنم بحر کا استعمال کیا ہے۔ دیکھئے وہ کس طرح سے اپنے جذبات قارئین تک پہچانے کے قائل ہیں۔

برفیلی رُت آگ لگائے شاخوں پر
کوئی کیسے خواب سجائے شاخوں پر
چاروں جانب اک بجلی سی کوند گئی
ہم نے جب بھی گھر بنوائے شاخوں پر
پت جھڑ نے جب پیڑوں کو ماپال کیا
تب موسم نے پھول کھلائے شاخوں پر

اور ایک جگہ کہتے ہیں:۔

نہ جاؤ چھوڑ کر یا رو تم اپنے گاؤں کی مٹی
ملیں گی شہر میں تنہائیاں کیا ہم نہ کہتے تھے
عقیدوں کی طرح مت بانٹنا سورج کو خانوں میں
بکھر جائیں گی سب پرچھائیاں کیا ہم نہ کہتے تھے

۱۹۹۰ء میں جب اچانک کشمیر کی تاریخ نے کروٹ بدلی تو صدیوں سے چلا آرہا امن درہم برہم ہوگیا ان انسانیت سوز واقعات کی مذمت کرنا دوسری زبانوں کی طرح اُردو کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

بیشتر قلمکاروں اور شاعروں نے بھی اپنا اوّلین فرض سمجھا۔ چنانچہ بہت سارے شعراء سامنے آئے جنہوں نے دہشت گردی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا۔ شعراء کی اس فہرست میں فاروق نازکی، حکیم منظور، میکش کاشمیری، طاہر مضطر، مظفر ایرج، ایاز رسول نازکی وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ ان شعراء نے جہاں ایک طرف وطن دشمن عناصر کے خلاف جہاد کیا وہاں دوسری طرف کشمیر سے نکلے ہوئے کشمیری پنڈتوں کے اتہاس کو دہرایا۔ چنانچہ پرویز نے اپنے معاصرین کی طرح مادر وطن کے تئیں اپنے فرائض کو سمجھا۔ ان کی بہت سی غزلیں نہ صرف ان واقعات کی طرف اشارہ کرتی ہیں بلکہ انہوں نے اپنی بعض غزلوں میں دہشت گردوں کے خلاف شدید غم و غصے کا اظہار کیا ہے۔ دیکھئے اپنی اس غزل میں وہ کس طرح سے عالم مجبوری کا احساس دلاتے ہیں۔ اس غزل میں وہ لاکھوں کشمیریوں کی نمائندگی کرتے ہیں جو سترہ سال سے اپنی مٹی سے کٹ کے رہ گئے ہیں اور ملک کے کونے کونے میں جلاوطنی کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ اس غزل کے چند اشعار آپ بھی ملاحظہ فرمایئے:۔

ایک جام ارغونی بھیج دو کشمیر سے
اور وہ راتیں سہانی بھیج دو کشمیر سے
مضطرب پردیس میں بیٹھا ہوں تیری یاد میں
اور تھوڑی بیکرانی بھیج دو کشمیر سے
پیاس بجھ جائے گی آنکھوں کی مری گر تم مجھے
ایک پیالہ ڈل کا پانی بھیج دو کشمیر سے
وہ سویٹر اور مفلر اب پرانے ہوگئے
پھر کوئی تازہ نشانی بھیج دو کشمیر سے

موجودہ دور پرآشوب دور ہے۔ اس دور نے انسان کو حیوان سے بدتر بنادیا ہے۔ محبت وفا خلوص اور دیانت داری اب برائے نام رہ گئی ہے۔ انسان کی زندگی ایک مشین بن گئی ہے۔ وہ اپنے فرائض سے ناآشنا ہے۔ اُس کی قوت برداشت ختم ہوگئی ہے۔ چاروں

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

اور افراتفری کا عالم ہے۔ عالمی تناؤ بڑھتا جارہا ہے۔ نفرت اور تعصب کی آندھی ہر طرف پھیل رہی ہے انسان ایک عجیب کشمکش کا شکار ہوگیا ہے۔ ایک حساس فنکار ان تمام چیزوں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ پرویز نے بھی زمانے کی اس کیفیت کو محسوس کیا ہے۔ انہوں نے خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ سچے اور حقیقی فنکار کا منصب نبھایا ہے۔ وہ یقین دلاتے ہیں کہ نفرت کی آگ پھیلانے والے ایک نہ ایک دن خود اس آگ میں جل کر راکھ ہو جائیں گے ۔چنانچہ ان تمام باتوں کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں۔

جس نے سچ بولنے کا جرم کیا
اُس کو کیسے بچائے گا پتھر
نفرتیں آگ خون اور لاشیں
دیکھ کر تلملائے گا پتھر
گھاؤ اپنا کوئی نہ دیکھے گا
ہاتھ میں جب اٹھائے گا پتھر
آگ جس نے لگائی نفرت کی
اُس کے گھر تک بھی جائے گا پتھر

چاند لمس گلاب میں 26 نظمیں اور 66 ہیکو بھی شامل ہیں جہاں تک پرویز کی نظموں کا تعلق ہے۔ ان میں بھی موضوع کی بوقلمونی نظر آتی ہے۔ چلہ کلان کا ایک منظر، پت جھڑ کی وہ شام اور ٹھہرا ہوا منظر جیسی پرویز کی نظمیں کشمیر کے ماحول یہاں کے موسموں اور یہاں کے مناظر کی پوری پوری عکاسی کرتی ہیں۔ یلغار، قربتوں کا تصور کھڑکیاں بھی پرویز کی عمدہ نظمیں ہیں۔ جن میں آج کے انسان کی بے راہ روی، اس کی محرومی اور اس کے درد و کرب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ پرویز کی ان نظموں میں جذبے کی صداقت جگہ جگہ عیاں ہے۔ وہ گھما پھرا کر بات کرنے کے قائل نہیں بلکہ وہ صاف اور سلیس زبان میں اپنے خیالات کو صفحۂ قرطاس پر اتارنے کے قائل ہیں۔ پرویز کی ان نظموں میں تازگی ہے۔ وہ اپنے

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

گردونواح کے حالات نہایت ہی سلیقے سے قلم بند کرنے کے قائل ہیں ان کے ہیکوز میں بھی یہی انفرادیت جھلکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ پرویز مانوس ایک باصلاحیت فنکار ہیں۔ اگر وہ اسی محنت اور جگر کاوی سے اپنے خیالات قلم بند کرتے رہیں گے تو جلد ہی قارئین کی توجہ کا مرکز بن جائیں گے۔

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

میرا شہر

کشمیر کی راجدھانی سرینگر آج سے کوئی ۱۴۰۰ رسال قبل پروارسین دوم نے بسائی تھی۔ یہ شہر ہندوستان کے اہم شہروں میں سے خیال کیا جاتا ہے۔اس کی اہمیت صرف اس لئے نہیں کہ یہ ریاست جموں وکشمیر کی راجدھانی ہے بلکہ اس لئے بھی کہ قدرت کے مناظر کی گود میں یہ شہر حسن وجمال کی ایک عجیب اور دلاویز تصویر پیش کرتا ہے۔ پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ اس کے اطراف میں پھیلا ہوا ہے۔جھیل ڈل کے شفاف پانیوں پر تیرتے ہوئے کھیت اور مغلی جاہ وجلال لئے ہوئے خوبصورت باغات ہندواور مسلمانوں کی مشترکہ متبرک جگہیں، چنار کے ٹھنڈے اور سایہ دار درخت، گلاب کے پھول، ہاؤس بوٹ، اخروٹ کی لکڑی پر کھدائی کا کام اور پیپر ماشی کا فن کون سی ایسی چیز ہے جو لوگوں کو اس شہر نگاراں کی طرف نہیں کھینچتی ہے اعداد وشمار کی روشنی میں اس شہر کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔

سرینگر شہر سطح سمندر سے ۱۶۰۰ میٹر کی بلندی پر واقع ہے، اس کے اردگرد پہاڑوں اور کریوؤں کے سلسلے دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے سرینگر کافی گنجان

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہے۔ ۱۹۷۰ء کی مردم شماری کے مطابق ضلع سرینگر ۳ سے ۱۳ ہزار کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ شمال مغرب میں یہ سونہ مرگ تک اور مغرب میں توسہ میدان تک پھیلا ہوا ہے۔ دریائے جہلم ۱۵۰۸ کلومیٹر مسافت شہر میں سے طے کرتے ہوئے گذرتا ہے۔ شہر کی چوڑائی اوسطاً ۴ کلومیٹر ہے۔ سرینگر کی آب وہوا معتدل ہے۔ لیکن جولائی کا مہینہ کافی گرم ہوتا ہے۔ سالانہ بارش ۸۰ سے ۹۰ سنٹی میٹر کے قریب ہوتی ہے انتظامی لحاظ سے اس کو کئی تحصیلوں میں بانٹا گیا ہے۔ ان تحصیلوں کو مزید کئی بلاکوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان کے نام ہیں سرینگر، بڈگام، چاڈورہ، باغات کنی پور، بیروہ، گاندربل، کنگن، ناربل، پورے ضلع میں ۷۴۹ دیہات ہیں جن میں سے سرینگر تحصیل میں ۸۸ دیہات ہیں۔

۱۹۳۱ء کی مردشماری کے مطابق ضلع آبادی کا ۲۱۰۵ رفی صدی حصہ تعلیم یافتہ تھا۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ۶۰۵ رفیصدی اضافہ ہوا ہے۔ اسی طرح ہائر سکنڈری سطح تک ۱۹۰۷ء کے دوران سکولوں کی تعداد ایک ہزار چوبیس تھیں۔ تعلیم کے لحاظ سے یہ ضلع ترقی کی طرف گامزن ہے۔ قدیم زمانے میں مکتبوں اور پاٹھ شالاؤں کے ذریعے سے تعلیم دی جاتی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد عیسائی مشنریوں کے کھولے ہوئے اداروں کے ذریعے سے تعلیم دینے کا رواج رہا۔ ۱۸۷۴ء میں ڈوگرہ شاہی عہد کے دوران سرینگر میں پہلا سکول کھولا گیا۔ جہاں انگریزی تعلیم کے علاوہ دینی تعلیم دی جاتی تھی اور فارسی، اردو اور سنسکرت بھی پڑھائی جاتی تھی۔ ۱۸۸۶ء میں یہ سکول (ANGLO-VERNICULER) اسکول بن گیا۔ یہی سکول ۹۳۔۱۸۹۲ء میں ہائی سکول بن گیا۔ ۱۹۰۵ء میں ڈاکٹر اینی بسنت کی کوششوں سے ہندو کالج کی بنیاد پڑی۔ اس طرح سرینگر کا پہلا کالج وجود میں آیا۔ ۱۹۱۳ء میں امر سنگھ ٹیکنیکل کالج کھولا گیا۔ تعلیمی نظام کو بہتر بنانے میں ٹینڈل بسکو کا رول ناقابل فراموش ہے۔ انہوں نے ہی نئے ڈھنگ سے تعلیم دینے کے مختلف تجربے عمل میں لائے۔ ۱۸۹۹ء میں پہلا گرلز مشن سکول کھولا گیا۔ بعد میں مہاراجہ ہری سنگھ کے عہد میں خواتین کے لئے مدرسے کھولے گئے۔ کشمیر میں پہلی عوامی

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

حکومت جناب شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں تشکیل پذیر ہوئی۔ وہ وزیراعظم کے ساتھ ساتھ تعلیم کے وزیر بھی رہے۔ اس میدان میں انہوں نے ریاست کو کافی آگے بڑھایا۔ انہوں نے اول درجہ سے لیکر پوسٹ گریجویٹ سطح تک تعلیم مفت قرار دی۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس میدان میں آگے بڑھ سکیں۔ مس ارین پٹیک پہلی عیسائی خاتون تھیں جنہوں نے رام منشی باغ میں اپنے مکان میں ۱۸۹۵ء میں ایک گرلز سکول کی بنیاد ڈالی۔ سرکاری کوششوں سے کچھ عرصہ کے بعد ہندو گرلز سکول فتح کدل میں کھولا گیا۔ جو بعد میں چنکرال محلّہ منتقل ہوا۔ پہلی کشمیری خاتون معلّمہ شریمتی ٹکرمائی تھیں۔ آزادی کے بعد بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری ادارے کھولے گئے۔ اس طرح تعلیم کے میدان میں کافی وسعت ہوئی۔ اور اس کی بدولت آج سرینگر میں ایک یونیورسٹی، ایک انجینئرنگ کالج، ایک میڈیکل کالج اور ایک پالی ٹیکنیک کالج موجود ہے۔ جہاں مختلف شعبوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ ایس، پی کالج، گاندھی میموریل کالج، بمنہ کالج، اسلامیہ کالج اور دو کالج برائے مستورات بھی ہیں(۱)۔ بمنہ کالج کی سنگھ بنیاد ۲ر نومبر ۱۹۷۰ء میں خواجہ غلام محمد صادق نے ڈالی اور بخشی غلام محمد نے ۵۹ء میں کشمیر یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا۔

کشمیر میں دریائی راستے عرصہ دراز سے آمدورفت اور رسل ورسائل کے ساتھ وابستہ ہیں ان کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ شہر کے مختلف علاقے ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں بلکہ یہ راستے اندرونی تجارت کے سلسلہ میں بھی کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔ خاص کر اس زمانے میں جب آج کی طرح سڑکوں کا جال بچھا ہوا نہیں تھا۔ ضلع کی آبادی کا اچھا خاصا حصہ دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ اس لئے دریا کے آر، پار آنے جانے کے لئے پلوں کی تعمیر عمل میں لائی گئی، اس دریا کے اوپر ۹ر پل تعمیر کئے گئے ہیں(۲) جن کے نام زیرو برج، امیرا کدل، بڈشاہ پل گاؤ کدل حبہ کدل، فتح کدل، زینہ کدل، عالی کدل،

(۱) اب کالجوں، یونیورسٹی اور دیگر تعلیمی اداروں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔

(۲) اب پلوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا ہے۔ کئی نئے پل تعمیر کئے گئے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

نوا کدل، صفا کدل ہیں۔ جہاں تک زیرو برج اور بڈ شاہ برج کا تعلق ہے۔ یہ حال حال ہی میں تعمیر ہوئے ہیں۔ زمانۂ حال میں ان کی افادیت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا ہے۔ سلطان زین العابدین نے زینہ کدل کو ۱۴۲۰ء میں تعمیر کرایا۔ حبہ کدل کی تعمیر ۵۵، ۱۵۵۴ء میں سلطان حبیب شاہ والی کشمیر نے کروائی۔ اورنگ زیب نے ۱۶۵۸ء میں نوا کدل اور صفا کدل کے پلوں کی بنیاد ڈالی۔ امیرا کدل ایک بہت ہی پرانا پل ہے۔ اس پل کو تیمور خان نے ۱۷۷۲ء میں تعمیر کروایا۔ چونکہ یہ پل اب کچھ خستہ ہوگیا ہے۔ اس لئے وہیں پر ایک نیا پل تعمیر کیا گیا۔ وزیر اعلیٰ جناب شیخ محمد عبداللہ نے مہجور پل پر کام شروع کروایا اور یہ پل نومبر ۱۹۷۷ء میں ٹریفک کے لئے کھول دیا گیا ہے۔ یہ پل فلڈ چنل پر تعمیر کروایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ شہر میں اور بھی کئی چھوٹے اور بڑے پل ہیں۔ ان میں سے رام باغ پل، گاؤ کدل، کنہ کدل، چھتہ بل، راجوری کدل، بہوری کدل، بوٹہ کدل، سعدہ کدل وغیرہ اہمیت رکھتے ہیں۔

ژونٹھ کول، دودھ گنگا، ویتھ، نالۂ مار، سرینگر ضلع کے قدیم آبی راستے ہیں اور زمانہ قدیم سے اندرونی تجارت کے سلسلے میں کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔

کٹہ کول: شیر گڑھی محلّہ جات کے ساتھ جہلم کے بائیں کنارے سے الگ ہوتی ہے، اور شہر کے باہر دوبارہ چھتہ بل کے پاس اس کے ساتھ ملتی ہے۔ یہ قدرتی طور سے بنی ہوئی نہر ہے اور پرانے زمانے میں بچاؤ کی دوسری لائین سمجھی جاتی تھی۔

ژونٹھ کول: یہ نہر جہلم کو ڈل کے ساتھ ملاتی ہے، جہاں پر ژونٹھ کول جہلم کے ساتھ ملتی ہے۔ وہاں پرانے زمانے میں ہندوؤں کا بڑا تیرتھ تھا۔ یہ جگہ پرانے شاہی محل شیر گڈھی کے سامنے ہے۔

دودھ گنگا: دودھ گنگا یوس مرگ کے قریب سنگھ سفید نام کے ایک چشمے سے نکلتی ہے اور چاڈورہ تحصیل کے دیہاتوں سے گذرتی ہوئی سرینگر پہنچ جاتی ہے۔ اس کو چھڑہ کول بھی کہتے ہیں۔

ویتھ: اصلی نام وتستا ہے۔ نکلنے کی جگہ ویتھ وتر ہے۔ اس کا تعلق ہندو دیو مالا کے ساتھ گہرا

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ بھگوان شیو کی محبوبہ اوما یعنی پاروتی کا مظہر ہے۔ سرینگر شہر کے بیچوں بیچ گذرتی ہوئی بارہمولہ کے راستے پاکستان میں سے ہوتی ہوئی بحیرہ عرب میں گر جاتی ہے۔

نالہ مار: نالۂ مار شہر کے اندرونی تجارت کے لئے بنی ہوئی سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی نہر تھی۔ جس کو اب پانی کی کمی کی وجہ سے ایک گول راستے میں تبدیل کیا گیا ہے۔

سرینگر میں باغات اور سیر گاہوں کی کمی نہیں ہے، عہد قدیم میں بھی یہاں سیر گاہیں موجود تھیں، لیکن اس طرف سب سے زیادہ توجہ عظیم مغلوں نے دی۔ چنانچہ ان کے زمانے میں بہت سے باغات اور فرحت بخش جگہیں وجود میں آئیں۔ ان میں سے بعض تو اب تک موجود ہیں لیکن بعض زمانے کی سختیوں کی وجہ سے مٹ چکے ہیں۔ اس سلسلے میں ذیل کے باغات کا ذکر کرنا ناگزیر ہے:۔

شالیمار: شالیمار دراصل سنسکرت کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہے ''پریم کا گھر'' کہا جاتا ہے کہ پروارسین دوم نے جھیل ڈل کے کنارے پر جہاں آج ایک شاندار باغ کھڑا ہے۔ ایک خوبصورت عمارت تعمیر کروائی تھی اور جس کا نام شالیمار رکھا تھا۔ راجہ پروارسین ہارون سہ کرما سوامی نام کے ایک سادھو سے ملنے کیلئے اسی راستے سے جاتا تھا اور اس آرام گاہ میں قیام کرتا تھا۔ وقت گذرنے کے بعد یہ عمارت منہدم ہوگئی اور شالیمار نام کا گاؤں نمودار ہوا۔ یہاں پر بادشاہ جہانگیر نے ۱۶۱۹ء میں ایک باغ لگوایا اور اس کا نام فرح بخش رکھا۔ بعد میں یہ باغ فرحت گاہ شاہی بھی کہلایا۔ ۱۶۳۰ء میں کشمیر کے مغل گورنر ظفر خان نے اس باغ کو شاہجہاں کے حکم سے وسعت دی اور خود یہ شعر کہا

بہت اگر در عالم عیش وطرب خلد بریں
فیض بخش اسف وفرح بخشت است بروئے زمیں

یہ باغ اپنی شان اور وجاہت کے ساتھ آج بھی کھڑا ہے اور مغل بادشاہوں کے ذوق جمال کی ایک زندہ مثال ہے، اس باغ میں اکثر جہاں گیر اور نور جہاں سلطنت کی ذمہ داریوں کی پریشانیوں سے آزاد ہو کے دادعیش لیا کرتے تھے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

چودھری باغ :اورنگ زیب کے زمانے میں چودھری مہیش نام کے ایک متمول شخص نے اپنے نام پر چودہری باغ کے نام سے ایک باغ لگوایا تھا۔ جونشاط باغ کے شمال میں واقع تھا۔ اس باغ کا نام ونشان اب باقی نہیں رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ باغ ۸۰ر طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ یہ باغ اس قدر خوبصورت تھا کہ اس وقت کے گورنر سیف خان کے دل میں رشک کا جذبہ پیدا کر دیا۔ چنانچہ اس نے بھی ایسا ہی باغ ''حبق'' میں لگوایا تھا لیکن یہ باغ ویسا خوبصورت نہ بن سکا۔ چنانچہ گورنر سیف خان بے ساختہ بول اٹھا۔

چودہری باغ نہ کرد
بردلِ سیف خان داغ کرد

چودہری مہیش نے رعناواری میں اپنے گھر کے نزدیک اسی نام سے ایک اور باغ لگوایا تھا اور دونوں باغوں کو ایک بنڈ (Bund) کے ذریعے سے ملایا تھا۔ جس پر ڈل کے بیچوں بیچ دو پل لگے ہوئے تھے۔ باغ تو مٹ چکے ہیں لیکن پل باقی ہیں۔

نشاط باغ: شالیمار سے جنوب کی طرف مغلوں کا ایک اور شاندار باغ واقع ہے۔ جسے نور جہاں کے بھائی آصف جاہ نے بنوایا تھا۔ شاہجہاں نے ۱۶۳۴ء میں اس باغ کی سیر کی اور آصف کے سامنے اس کی تعریف اس خیال سے کی کہ شاید آصف جاہ اسے شہنشاہ کو پیش کرے۔ لیکن وہ خاموش رہا۔ اس سے مغل شہنشاہ ناراض ہوا اور حکم دیا کہ اس کا پانی جو شالیمار کی نہر سے آتا ہے بند کیا جائے۔ اس سے نشاط کا سارا حسن ماند پڑ گیا۔ آصف جاہ یہ سب کچھ دیکھ نہ سکا اور بے حد مایوس ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے نوکر سے مالک کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور اس نے روکے ہوئے پانی کو باغ کی سمت ڈال دیا۔ آبشاریں گرنے لگیں اور فوارے پھر سے چھوٹنے لگے۔ شور سن کر آصف جاہ نیند سے جاگا اور اس خیال سے کہ شہنشاہ ناراض ہوں گے پریشان ہوا۔ نوکر نے اقبال جرم کیا اور بتایا کہ اس سے آصف جاہ کا غم دیکھا نہ گیا۔ یہ خبر شہنشاہ کو ملی۔ انہوں نے نوکر کو بلایا جس نے صاف طور سے اپنے جرم کا اقبال کرتے ہوئے اس کی وجہ بتادی اور سزا کا خواستگار رہا۔ لیکن بادشاہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

وفادار نوکر سے بہت خوش ہوا اور نہ صرف اس کو خلعت دے دی بلکہ نشاط باغ کا پانی واگزار کیا۔ نشاط چناروں کے گھنے سایوں اور خوبصورت فواروں کا باغ ہے۔ یہاں کی صبحیں بڑی خوبصورت ہوتی ہیں۔ شاعر نے خوب کہا ہے۔

صبح درباغ نشاط وشام درباغ نسیم
شالیمار ولالہ زارو سیر کشمیر است وبس

چار چنار :چار چناروں کا باغ جھیل ڈل کے وسط میں واقع ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا جزیزہ ہے۔ باغ کے چاروں طرف جھیل ڈل ہے۔ اس باغ کو شہزادہ مراد بخش نے ۱۶۴۱ء میں بنوایا تھا۔ جب وہ کشمیر کا گورنر تھا۔ سالہال سال سے یہ باغ مناظر قدرت کے دیوانوں کو متوجہ کرتا رہا ہے اور ڈل کی سیر کرنے والے اس کی فرحت بخش چناروں کے سائے میں عیش ونشاط کی محفلیں سجاتے رہے ہیں۔ جھیل ڈل کی دلکشی بڑھانے میں چار چنار کا بڑا ہاتھ ہے۔

چشمہ شاہی: چشمہ شاہی صاف وشفاف اور ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہے اور نشاط باغ سے جنوب کی طرف ڈھائی میل کی دوری پر واقع ہے۔ یہ بھی نشاط باغ کے نمونے پر بنا ہوا ہے۔ مغل شہنشاہ شاہجہاں کے حکم سے ۱۶۵۷ء میں کشمیر کے گورنر علی مردان خان نے بنوایا ہے۔

نسیم باغ: نگین سے تقریباً ایک کلومیٹر دور ڈل کے کنارے شاہجہاں نے نسیم باغ بنوایا۔ اس میں ۱۲۰۰ر چنار تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان چناروں کو پانی کے بدلے دودھ سے سینچا جاتا تھا۔ جس سے یہ چنار سرسبز اور شاداب ہوگئے اور ان کی دلکشی میں اضافہ ہوگیا۔ نسیم باغ کی بنیاد ۱۶۳۵ء میں پڑی۔ فارسی کے مشہور شاعر نے اپنے الفاظ سے اس کے حسن میں اور بھی اضافہ کیا۔

گفت تاریخ دوحلہ ٔ شاہی
از بہشت عدن نسیم آمد

ان کے علاوہ سرینگر میں اور بھی کئی باغات لگوائے گئے تھے جن کا نام ونشان بھی اب کہیں پر باقی نہیں رہا ہے۔ ان کے نام یوں ہیں۔ باغ لشکر خان، باغ قوام الدین خان،

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

باغ صدارت خان، صادقہ آباد، باغ افضل آباد، باغ بٹہ فرار، باغ افراسیب خان، الٰہی باغ، حیدر آباد، عیش آباد، جہاں آرا، شاہ آباد، بہار آراء، گلشن، ظفر آباد، عنایت باغ، احسان آباد، درشنی باغ، دارالمحل، باغ ولادر خان، باغ ارادت خان وغیرہ۔ ان میں سے اکثر باغات مغلوں کے وقت میں لگوائے گئے۔ لیکن اب زمانے نے ان کا نام ونشان مٹادیا ہے اور یہ باغات اب کہیں پر بھی نظر نہیں آتے۔ اس کے برعکس شہر میں بہت سی جگہوں پر چھوٹی چھوٹی پارکیں بن گئی ہیں۔ لیکن ان میں وہ بات کہاں جو عہد قدیم میں پائی جاتی تھی۔ مغلوں کے وقت کے باغات میں سے اب صرف تین باقی بچ گئے ہیں۔ نشاط باغ، شالیمار باغ، چشمہ شاہی، چند ایک باغات جو زمانہ حال میں بن چکے ہیں۔ ان کے نام ہیں پرتاپ پارک، نہرو پارک، شیر کشمیر پارک، لال منڈی، بادام کے باغات وغیرہ۔

کشمیر میں اسلام کے آنے سے پہلے جگہ جگہ پر مندر اور بدھ وہار موجود تھے، ان میں سے چند مندر اب بھی موجود ہیں اور باقی کھنڈرات کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ اکثر مندر دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر نظر آتے ہیں۔

شنکر آچاریہ : سرینگر میں ڈل گیٹ کے قریب شنکر آچاریہ پہاڑی پر ۱۰۰۰ ارفٹ کی بلندی پر ایک مندر شنکر آچاریہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندومت کا پرچار کرنے والے مشہور عالم شنکر آچاریہ نے اس کی بنیاد ڈالی ہے۔

پروار شوارہ : سرینگر کی جامع مسجد کے قریب ہی تھوڑے ہی فاصلے پر پروار شوارہ نام کا ایک مندر ہے پرورسین دوم نے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔

مہا کالی : فتح کدل اور زینہ کدل کے درمیان دریا کے کنارے ایک اور مندر نظر آئے گا۔ یہ مہا کالی کا مندر ہے۔ یہ مندر کالی شری کے نام سے پرورسین دوم نے بنوایا تھا۔ اسی مندر کے نام پر کالی شری پور کا محلّہ آباد کیا گیا۔ جواب کلاش پورہ بن گیا ہے۔

نرپرستان : بھانہ محلّہ اور فتح کدل کے درمیان میں نریندر سوامی کا مندر نظر آتا ہے، اس کو اب نرپرستان کہا جاتا ہے۔ ہندو اور مسلمان عقیدت منداس کا احترام کرتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

یہ مندر مہاشری کے نام سے منسوب ہے جس کی بنیاد پرورسین دوم نے ڈالی ہے۔

مہادبھاواشری: جامع مسجد کے قریب ہی تھوڑے فاصلہ پر محلّہ کاڈی کدل میں سادبھاواشری کا استھاپن ہے۔ پرورسین دوم نے اس مندر کو تعمیر کرایا۔ اب یہ زیارت پیر حاجی محمد صاحب کے طور پر یاد کی جاتی ہے۔ اس کی تاریخی اہمیت ہے، یہاں پر سلطان قطب دین دفن ہے۔

سکند ابھون: ۱۷۰۔۲۰۹ء میں راجہ یودشٹرا کے وزیر سکندر گھپت نے اس کو تعمیر کرایا۔ یہ استھاپن صفا کدل میں واقع ہے۔

تربھوانی سوامن: صفا کدل میں ہی کچھ آگے چل کر ترتر بھوانی سوامن کا مندر آتا ہے۔ ۶۸۷۔۶۹۵ء میں چندر پیرا نے اس کو تعمیر کرایا۔ حضرت ٹھگ بابا اس کے ساتھ ہی سپرد خاک ہیں۔ اس لئے اس علاقے کو ٹھگ بابا صاحب ہی کہا جاتا ہے۔

حضرت شاہ ہمدانؒ: فتح کدل اور زینہ کدل کے درمیان دریا کے کنارے حضرت شاہ ہمدانؒ کی زیارت ہے۔ یہ کشمیر کی ایک اہم زیارت گاہ ہے، ہزاروں عقیدت مند ہر سال ان کے عرس مبارک پر یہاں آتے ہیں۔ سلطان بت شکن نے ۱۳۸۹ء۱۴۱۳ء میں یہ زیارت تعمیر کرائی۔

بلبل صاحب: رینچن نے ۱۳۲۰ء۱۳۲۳ء میں یہ خانقاہ تعمیر کرائی۔ یہ سرینگر کی پہلی مسجد ہے۔ سلطان زین العابدین نے ۱۴۲۰ء۱۴۷۰ء میں زینہ کدل کا مقبرہ تعمیر کرایا۔ ۱۶۰۵ء۱۶۲۷ء میں جہانگیر نے پتھر مسجد تعمیر کرائی۔ اس کے علاوہ جامع مسجد کی مرمت کرائی۔

۱۶۶۸۔۱۶۵۷ میں حضرت مُلا آخون شاہ کی مسجد کشمیر کے مشہور بادشاہ شاہجہان نے تعمیر کرائی اورنگ زیب نے ۱۶۵۸۔۱۷۰۷ء میں جامع مسجد کو از سر نو تعمیر کرایا۔ سلطان بت شکن نے جامع مسجد کو ۱۳۸۹ء۱۴۱۳ء میں تعمیر کرایا۔ ان کے علاوہ سرینگر میں بہت سارے گردوارے اور گرجا گھر ہیں جن کی کافی اہمیت ہے۔

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

سارے جہاں سے اچھا

کروڑوں باسیوں کی سرزمین ہندوستان آج دنیا میں مذہبی رواداری، اخوت اور بھائی چارے کی علامت ہے۔ ہندوستان ایک بڑا ہی وسیع ملک ہے، جہاں سینکڑوں ذاتوں کے لوگ رہتے ہیں۔ جہاں بے شمار مذاہب نے آنکھ کھولی اور جہاں کلچر اور تہذیب کے نہ جانے کتنے سوتے ابلتے ہیں۔ تہذیب، تمدن، مذہب، رنگ، نسل کے رنگا رنگ تانے بانے نے ایک عجیب اور مخلوط مزاج کو تشکیل دی اور ہندوستان نے اس کو گلے لگایا۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس وسیع و عریض ملک میں لوگوں نے تنفر کو کبھی نہیں اپنایا، برادری، اخوت اور خلوص کے جذبوں پر کبھی زنگ نہیں چڑھا۔ مذہب کے نام پر دل نہیں بٹے، نسل اور رنگ نے کبھی جذبوں کو ملیامیٹ نہیں کیا۔ نا اتفاقی کی آگ جب اس ملک کی قسمت کو جلانے کے لئے بھڑکی، تو محض مذہب کے نام پر نہیں بلکہ اس کے برعکس ہندو نے مسلمان کا ساتھ دیا اور مسلمان نے ہندو کا۔ گوتم نے عدم تشدد اور اہنسا کا درس دیا اور نانک نے عمل کا سبق پڑھایا۔ اشوک نے شانتی کا جذبہ بے دار کیا اور ہندو اور مسلم کلچر کو ایک کر دیا اور ایک

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

مخلوط تمدن کو جنم دیا۔ اکبر اعظم ایک مسلمان بادشاہ تھا لیکن اس کے باوجود اس کے سب سے زیادہ قابل اعتبار دوست ہندو اور راجپوت تھے۔ اس کے ولی عہد کی ماں ایک راجپوت حسینہ تھی۔ اس کا ایمان دین الٰہی تھا، جس میں اسلام ہندو مذہب اور دوسرے مذاہب کے موٹے اصول شامل تھے۔ ہندوستان میں جو بھی مسلمان بادشاہ حکمران ہوا۔ ان کی دین ہماری قومی میراث ہے۔ مشرق اور جنوب، شمال اور مغرب کے جھگڑے کبھی کوئی قدم نہ جما سکے۔ اسی سرزمین میں صوفیائے کرام کے نغمے بھی گونجے اور بھگتی کی تحریک کے متوالوں کے گیت بھی۔ مذہب کی رواداری اور جذبوں کے اسی خلوص کا سب سے بڑا دشمن شاطر انگریز تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہاں کے سیدھے سادھے اور وفا شعار لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف نہیں بھڑکایا جا سکتا۔ اس نے جب بھی اپنے لوٹ کھوٹ کی پالیسی کو تیز کرنا چاہا تو اس کا ردعمل ہندوستانیوں کی طرف سے بھی ہوا تھا۔ جو نہ محض ہندو تھے نہ مسلمان اور نہ ہی سکھ۔ اس جنگ میں بہادر شاہ ظفر نے بھی اپنا حصہ ادا کیا۔ رانی جھانسی نے بھی اور نانا فرنویس نے بھی۔

رواداری کی اس مشعل کو ہاتھوں میں تھامے ہندوستانی آگے بڑھے۔ انگریز کو دیش سے باہر نکالنے کے لئے سب نے یکسان حصہ ادا کیا۔ لوگ ہندوستان کو ہندوؤں کی جنم بھومی ہی نہیں سمجھے۔ یہ دیش ہندوؤں کا بھی تھا، مسلمانوں کا بھی اور عیسائیوں کا بھی۔ اس کی ہوا، اس کا پانی، اس کے دریا، پہاڑ، تاج محل، قطب مینار، اودھ کی شامیں اور بنارس کی صبحیں ہندوستانیوں کی تھیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی، سکھوں اور عیسائیوں کی، آزادی کی تحریک میں سب ہی لڑے۔ پھانسی کی رسیوں پر اشفاق احمد بھی جھولے، بھگت سنگھ اور چندر شیکھر آزاد بھی۔ جلیاں والا باغ کی سرزمین ہندوؤں کے خون سے بھی سیراب ہوئی اور مسلمان کے خون سے بھی۔ خون کی اسی ہولی نے آزادی کو جنم دیا اور آخر ہماری قربانیاں رنگ لائیں۔ آزادی ملی۔ اب بعض ممالک ہندوستانیوں کو آگے بڑھنے پر حسد کرتے ہیں اور اپنے ذاتی مفادات کے لئے مذہب کے نام پر ہندوؤں اور مسلمانوں کو اکسا کر خون کی ہولی کھیلنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ایسے عناصر سے باخبر رہ کر اپنی روایات کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنی ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ہماری حکومت ایک سیکولر حکومت ہے۔ ایک ایسی حکومت جہاں لوگوں کو رنگ، نسل، قوم اور مذہب کی بنیاد پر تولا نہیں جاتا۔ جہاں ہر ایک کو آگے بڑھنے کے مناسب اور مساوی موقع ہیں..... وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے کہ جذباتی ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ ہم اپنے اسی کردار کو پھر سے پکاریں، جو صدیوں سے ہماری روح میں رچ چکا ہے اور اسی ساز کو پھر سے چھیڑیں جس کو رسا خان، جائیسی، چیتنہ، نانک اور گوتم نے صدیوں پہلے گایا تھا۔ آج ہم سب عہد کریں کہ ہم سب ایک ہیں۔ ہم اشوک اور اکبر، گاندھی اور تلک، نہرو اور آزاد کے وارث ہیں۔ پنجاب بھی ہمارا ہے، گجرات بھی، مغربی بنگال بھی اور کیرالہ بھی، قرآن مجید کی تلاوت بھی ہماری روح کو اسی طرح بیدار کرتی ہے جس طرح بھگوت گیتا کے اشلوک اور گرنتھ صاحب کا پاٹ ہم پنجاب کے ہوں یا گجرات کے، کشمیر کے ہوں یا مہاراشٹر کے، ہریانہ کے ہوں یا ہماچل کے ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ ہم ہندوستانی ہیں اور ہندوستان ہمارا ہے۔ کوئی بھی طاقت مذہب کے نام پر ہمیں تقسیم نہیں کرسکتا۔ ہمارے ہونٹوں پر علامہ اقبال کا بار بار نغمہ اُبھر کے آتا ہے ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' یہ ہم سب کا مشترکہ نعرہ ہے۔ یہ نعرہ ہمارے دِل کی ڈھڑکن بن گیا ہے۔

●●●

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

رچنا پبلی کیشنز جموں کی اہم مطبوعات

جدید اُردو شاعری (چند مطالعے)	(تنقید و تحقیق)
اوراق	(تنقید و تحقیق)
تحریر و تقریر	(تنقید و تحقیق)
انتخابِ مضامین	(تنقید و تحقیق)
ردِ عمل	(تنقید و تحقیق)
تاثرات	(تنقید و تحقیق)
برج پریمی۔ایک مطالعہ	(تنقید و تحقیق)
ویژھنے (کشمیری)	(تنقید و تحقیق)
وراثت (کشمیری)	(تنقید و تحقیق)
سنگِ میل	(شاعری)
افکارِ ولی	(انتخابِ کلام)
پیش رفت	(تنقید و تحقیق)
برج پریمی۔شخصیت اور فن	(تنقید و تحقیق)
مظہر امام۔حیات اور فن	(تنقید و تحقیق)
اقبال اور جدید اُردو شاعری	(تنقید و تحقیق)
جگت گرو بھگوان گوپی ناتھ۔عقائد و افکار	(مذہب)
اختر الایمان شخصیت اور فن	(تنقید و تحقیق)
مشاہیر ادب کے خطوط برج پریمی کے نام	(مکاتیب)
پریم ناتھ پردیسی عہد شخص اور فنکار	(تنقید و تحقیق)

رچنا پبلی کیشنز

تپیا ۳/ انصیب نگر۔جانی پور جموں ۱۸۰۰۰۷ (توی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

ڈاکٹر پریمی رومانی کا خاندانی نام سبھاش چندر رایمہ ہے۔آپ رنگ ٹنگ عالی کدل سرینگر کشمیر کے ایک اہل علم کشمیری پنڈت گھرانے میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد ماجد ڈاکٹر برج پریمی اُردو اور کشمیری زبان وادب کے نامور کہانی کار، محقق اور نقاد تھے۔ پریمی نے شعروادب کا اوّلین درس اُنہی سے حاصل کیا۔آپ نے کشمیر یونیورسٹی سرینگر سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔۱۹۸۶ء میں آپ کو اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی سرینگر سے [illegible] آل احمد سرور کی نگرانی میں اقبال [illegible] اُردو شاعری [illegible] [illegible] ڈاکٹریٹ کی ڈگری [illegible] ۲۰ [illegible] ء میں پر [illegible] [illegible] امام۔حیات اور فن'' [illegible] تحقیقی مقالہ لکھ [illegible] [illegible] رسٹی سے پی ایچ ڈی کی [illegible] کی۔

[illegible] پریمی رومانی اُردو [illegible] ایک باصلاحیت [illegible] آپ نے اپنے ادبی [illegible] ۱۹ [illegible] ء میں شاعر [illegible] سب سے پہلی نظم'' [illegible] تھی جو مکتبہ جامعہ [illegible] کے زیر اہتمام شائع [illegible] بچوں کے مقبول رسالہ ماہنامہ ''پیام تعلیم'' میں شائع ہوئی۔آپ کا پہلا تحقیقی وتنقیدی مقالہ شہریار اور جدید نظم ماہنامہ شاعر بمبئی میں ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔جس کی سنجیدہ علمی وادبی حلقوں میں خوب پذیرائی ہوئی۔ ادبیات کے موضوع پر آپ کی دو درجن سے زائد کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔آپ کے علمی وادبی کارناموں کے پیش نظر یوپی اُردو اکادمی، مغربی بنگال اُردو اکادمی، بہار اُردو اکادمی، انجمن ترقی اُردو (ہند) کشتواڑ، پریم سنگیت نکیتن جموں، رسا جاودانی میموریل لٹریری سوسائٹی جموں اور جگت گروجگوان گوپی ناتھ ٹرسٹ نئی دہلی نے وقتاً فوقتاً گرانقدر اعزازت سے نوازا۔

ماہنامہ شاعر ممبئی نے آپ کی شخصیت اور فن پر گوشہ پریمی رومانی شائع کیا ہے جس کی علمی وادبی دُنیا میں خاصی پذیرائی ہوئی۔

موصوف کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ''پریمی رومانی۔ فکروفن'' کے نام سے عنقریب ہی ایک کتاب شائع ہورہی ہے۔ جس میں اُردو کے معروف قلم کاروں کی تخلیقات شامل ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.

Digitized By eGangotri

حوصلہ بخش مکتوبات سے

پروفیسر گوپی چ[illegible]نگ (نئی دہلی)

مجھے خوشی [illegible] حالات میں بھی آپ نے لکھنے [illegible] کام سے رشتہ بنائے رکھا۔

پروفیسر جگن [illegible] (جموں)

اقبال پر آپ [illegible] میں نے پڑھا۔ اچھا مضمون ہے اور [illegible] کیا ہے۔

پروفیسر عنوان چشتی (نئی دہلی)

''تاثرات'' میں پریمی رومانی ایک بالغ نظر نقاد کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔

ڈاکٹر وحید عشرت (لاہور)

اقبال اور قومی یکجہتی پر میرے تبصرے پر آپ کا تبصرہ خاطر خواہ حوصلہ افزا ہے۔

مظہر امام (نئی دہلی)

میں سمجھتا ہوں نئے ناقدوں میں تم نے اپنی حیثیت مستحکم کر لی ہے۔

مخمور سعیدی (دہلی)

ڈاکٹر پریمی رومانی اُردو کے مشہور ناقد اور شاعر ہیں۔ وہ کشمیری ہیں اور اُردو کے ساتھ ساتھ کشمیری زبان میں بھی لکھتے ہیں۔

وید راہی (ممبئی)

حیرت اور خوشی کی بات ہے کہ آپ جموں میں گوشہ نشین ہو کر اتنے اعلیٰ اور معیاری ادب کی تخلیق و اشاعت میں مصروف ہیں۔

نور شاہ (سری نگر کشمیر)

ریاست کی ادبی دُنیا میں ڈاکٹر پریمی رومانی کا نام محتاج تعارف نہیں۔ وہ شاعر ہیں، افسانہ نگار ہیں اور ناقد بھی۔ وہ قلم کاروں کی اُس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو نئے ولولوں کے ساتھ فن کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Srinagar.